ماہنامہ
جہد حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

Registered No. CPL-13

جلد نمبر 32...شمارہ نمبر 03...مارچ 2024



عورت کی عزت اور تحفظ صرف ریاست کی ہی ذمہ داری نہیں

ایچ آر سی پی شکایات سیل

ایچ آر سی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص سیل موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔اس وقت سے،ایچ آر سی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آر سی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ہم جونہی خواتین کے خلاف تشدد،محکمہ جاتی مسائل،اقلیتوں کے حقوق،جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب،جبری گمشدگیوں،سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔تاہم،مالی معاونت،سیاسی پناہ،جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار

جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کر دیتے ہیں۔ہمارا بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

ہم سے رابطہ کریں

اگر آپ نے کوئی شکایت درج کرانی ہے تو ہمیں کال کر سکتے ہیں،واٹس ایپ کر سکتے ہیں،ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کر سکتے ہیں۔
آپ اپنے قریبی ایچ آر سی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کروا سکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کر سکتے ہیں۔

لاہور	کراچی	پشاور
0321 341 4884 042 3584 5969,042 3586 4994 ایوان جمہور،107 ٹیپو بلاک،نیو گارڈن ٹاؤن،لاہور hrcp@hrcp-web.org complaints@hrcp-web.org	0315 111 6287, 0333 3046674 021 3563 7131, 021 3563 7132 یونٹ نمبر 08،فرسٹ فلور،اسٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (آئیلا کو ہاؤس)،عبداللہ ہارون روڈ صدر، کراچی karachi@hrcp-web.org	0314 916 0661 - (091) 584 4253 مکان نمبر 43،گلشن اقبال ٹاؤن، نزد نائس ایجوکیشن سسٹم (کالج)،نزد دار باب روڈ سٹاپ مین یونیورسٹی روڈ،پشاور peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد	کوئٹہ	حیدر آباد
0333 561 6190 051 835 1095 آفس نمبر 1-B،فلور 2،بلاک 12-D (نزد پی ایس او پمپ)، G-8 مرکز،اسلام آباد islamabad@hrcp-web.org	0346 839 4466 081 282 7869 فلیٹ نمبر C-6،کبیر بلڈنگ ایم اے جناح روڈ،کوئٹہ quetta@hrcp-web.org	022 278 3688 022 272 0770 0310 339 2222 آفس نمبر 306،فائزہ آرکیڈ،صدر،حیدر آباد hydrabad@hrcp-web.org

ملتان	گلگت	تربت/مکران
0300 632 5401 061 451 7217 2511/5A ابدالی کالونی، نزد بریٹین سکول،ملتان multan@hrcp-web.org	0344 5475553, 0355 4541088 آفس نمبر 9-8،رنگ یل پلازہ، جماعت خانہ روڈ،ذوالفقار آباد،جتیال،گلگت gilgit@hrcp-web.org	0323 234 2406 0852 413365 پرواز ہاؤس،پسنی روڈ، تربت،کیچ ghaniparwaz@hotmail.com

عام انتخابات 2024 کی آزادانہ تحقیقات کی جائیں

آج جاری ہونے والی ایک رپورٹ میں، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے 8 فروری کو ہونے والے انتخابات کی شفافیت اور ساکھ پر سوال اٹھایا ہے۔

ایچ آر سی پی کے انتخابی مبصرین نے 51 حلقوں میں انتخابی عمل کا جائزہ لیا۔ ان مبصرین کی رپورٹس اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ پولنگ کے دن ملک بھر میں انٹرنیٹ اور موبائل سروسز بند ہونے اور پولنگ کی معلومات میں من مانی تبدیلیوں نے ووٹروں، خاص طور پر معذوری کا شکار افراد، بزرگوں، کم آمدنی والے افراد اور ان خواتین کی پولنگ سٹیشنوں تک رسائی کو متاثر کیا جن کی نقل و حرکت محدود ہے۔ ریٹرننگ افسران کی جانب سے انتخابی نتائج کے اعلان میں طویل تاخیر خاص طور پر باعث تشویش ہے۔

مجموعی طور پر پولنگ کا عمل شفاف اور پرامن رہا۔ پولنگ کا عملہ اچھی طرح سے تیار اور مناسب ساز وسامان سے لیس تھا۔ تقریباً تمام موقعوں پر، پولنگ ایجنٹوں اور امیدواروں کو پولنگ سے قبل خالی بیلٹ بکس دکھائے گئے اور پریذائیڈنگ افسر نے ووٹر کو بیلٹ پیپر دینے سے پہلے ہر بیلٹ پیپر کے پچھلے حصے پر مہر لگائی اور دستخط کیے۔ بیلٹ باکس ہر وقت سب کی نظروں کے سامنے موجود تھا اور ووٹروں کو اپنے بیلٹ پیپرز پر رازداری سے مہر لگانے کی اجازت تھی۔

تاہم پولنگ کے بعد کا عمل واضح طور پر غیر اطمینان بخش تھا۔ ایچ آر سی پی نے جن پولنگ اسٹیشنوں کا مشاہدہ کیا ان میں سے ہر پانچویں پولنگ اسٹیشن میں پریزائیڈنگ افسر نے کسی نمایاں جگہ پر ووٹوں کی گنتی کا بیان چسپاں نہیں کیا یا اس نے ریٹرننگ افسر اور ای سی پی کو نتائج کی تصویر نہیں بھیجی۔ بہت سے واقعات میں، یہ الزامات بھی سامنے آئے کہ ریٹرننگ افسر کا اعلان پریزائیڈنگ افسر کی گنتی سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ تشویشناک بات یہ ہے کہ ایسی اطلاعات بھی سامنے آئی ہیں کہ امیدواروں، پولنگ ایجنٹوں اور مبصرین کو عبوری نتائج کی تیاری کے عمل کا جائزہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی۔

ایچ آر سی پی ایک پارلیمانی باڈی کی نگرانی میں 2024 کے انتخابات کی آزادانہ تحقیقات کی سفارش کرتا ہے۔ سیکورٹی اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کا انتخابی عمل یا اس کے نتائج کے انتظام میں کوئی کردار نہیں ہونا چاہیے۔ پارلیمنٹ کو نگراں حکومت کی اسکیم کی افادیت پر بھی بحث کرنی چاہیے۔ پولنگ کے دن اور پولنگ ختم ہونے کے بعد موبائل اور انٹرنیٹ سروسز بلا رکاوٹ دستیاب ہونی چاہئیں۔

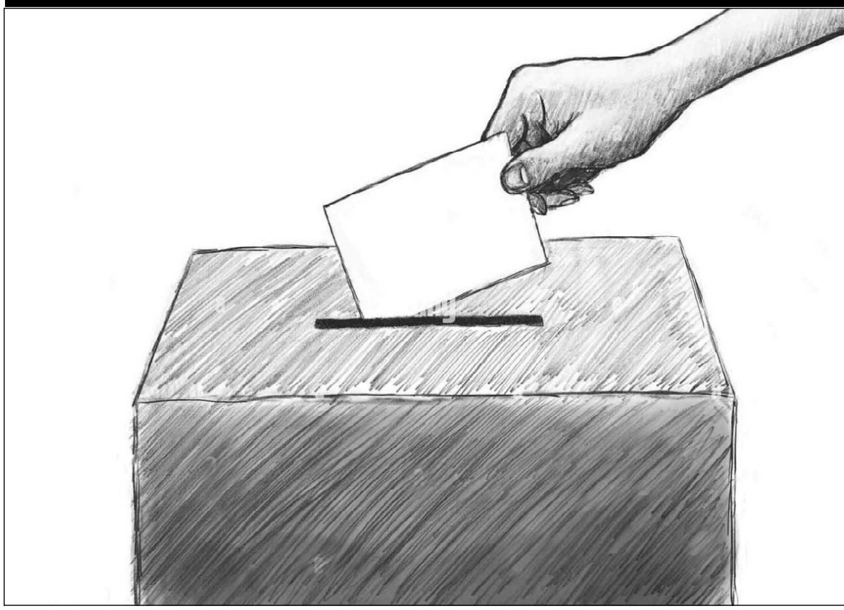
الیکشن کمیشن آف پاکستان (ای سی پی) کو الیکشنز ایکٹ 2017 کے مطابق فارم 45، 46، 48 اور 49 شائع کرنے چاہئیں۔ ناراض سیاسی جماعتوں یا امیدواروں کی جانب سے درخواستیں موصول ہونے پر، ای سی پی کو خاص طور پر ایسے معاملات میں ووٹوں کی دوبارہ گنتی کا حکم دینا چاہیے جہاں جیت کا مارجن کم ہے اور جہاں مسترد شدہ ووٹوں کی تعداد جیت کے مارجن سے زیادہ ہے۔

2024 کے انتخابات کی شفافیت پر نہ صرف ای سی پی میں اہلیت کی کمی بلکہ غیر جمہوری حلقوں کے مسلسل دباؤ اور نگراں حکومت کے قابل اعتراض فیصلوں، جس کی ایچ آر سی پی نے گزشتہ سال بار ہا نشاندہی کی تھی، کی وجہ سے بھی سمجھوتہ کیا گیا۔ اب تمام فریقین کے لیے ضروری ہے کہ وہ مستقل، بامعنی اور جامع سیاسی بات چیت کے ذریعے اجتماعی طور پر سویلین بالادستی کو برقرار رکھیں اور اس کی حفاظت کریں۔ درحقیقت، ان انتخابات کا سب سے بڑا نقصان کسی ایک فرد یا سیاسی جماعت کا نہیں بلکہ جمہوری اقدار، قانون کی حکمرانی اور عام لوگوں کی امنگوں کا ہوا ہے۔ [پریس ریلیز۔ لاہور۔ 17 فروری 2024]

فہرست

متنازع انتخابات

پاکستان میں عام انتخابات کا مشاہدہ



8 فروری 2024 کو ہونے والے عام انتخابات مکمل ہو چکے ہیں۔ انتخابات نسبتاً پرامن رہے اور ووٹر ٹرن آؤٹ 47 فیصد رہا۔ ایک اندازے کے مطابق چھ کروڑ افراد نے قومی اسمبلی کے 265 اور صوبائی اسمبلی کے 590 حلقوں کے لیے ووٹ کا حق استعمال کیا۔ ایک مثبت علامت یہ ہے کہ ان انتخابات میں 12 خواتین منتخب ہوئیں جو کہ جنرل نشستوں پر منتخب ہونے والی خواتین کی اب تک کی سب سے زیادہ تعداد ہے۔ تاہم، ایک ہموار، منظّم انتخابات کے انعقاد کا تصور اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ اسے ایک قابل اعتماد مشق ظاہر کرنا۔ افسوس کی بات ہے کہ اس ملک میں انتخابات شفافیت کے مسلسل بحران سے دوچار ہیں۔ ماضی کی طرح 2024 کے انتخابات بھی سیاسی ہنگامہ آرائی اور تقسیم کا شکار رہے اور اس دوران عسکریت پسندوں کی جانب سے تشدد بھی دیکھنے میں آیا، جس سے انتخابات کے یقینی ہونے اور ان کی شفافیت پر شکوک و شبہات پیدا ہوئے۔ ساتھ ہی یہ امید بھی کی جا رہی تھی کہ انتخابات سیاسی اور معاشی استحکام لائیں گے جو وقت کی اہم ضرورت ہے۔

8 فروری کو پولنگ شروع ہونے کے فوراً بعد، لوگوں نے محسوس کیا کہ پورے ملک میں انٹرنیٹ اور موبائل سروس بند ہو گئی ہیں۔ یہ صورتحال اگلی صبح تک برقرار رہی۔[1] اس سے نہ صرف پولنگ بلکہ میڈیا کی پولنگ سے متعلق رپورٹنگ پر بھی اثر پڑا۔ بہت سے واقعات میں، ووٹروں کے پولنگ اسٹیشن آخری لمحات میں تبدیل کر دیے گئے اور لوگوں کو الیکشن کمیشن آف پاکستان (ای سی پی) کی ہیلپ لائن سے ضروری معلومات حاصل کرنے میں مشکل پیش آئی۔ کچھ نے ووٹ نہ دینے کا انتخاب کیا۔ پولنگ عملے کے کام میں رکاوٹ پیدا ہوئی، خاص طور پر اس وقت جب پولنگ کے نتائج اپ لوڈ کرنے کی کوشش کی گئی۔ مبصرین کو اپنی رپورٹس بروقت بھیجنے میں مشکلات کا سامنا رہا۔

اگلے دن تک، ریٹرننگ افسران (آر اوز) کی طرف سے انتخابی نتائج کے اعلان میں تاخیر پر بڑے پیمانے پر تشویش پائی گئی۔ یہ تاخیر الیکشن رولز 2017 میں مقررہ وقت سے کہیں زیادہ تھی۔[2] اس کے بعد فارم 45 (گنتی کا نتیجہ)، جس کی نقول امیدواروں کے پاس دستیاب تھیں، اور فارم 47، جو آر اوز کی طرف سے جاری کردہ عبوری نتیجہ ہوتا ہے، کے درمیان تضادات کے الزامات لگائے گئے۔ کچھ آر اوز کے لاپتہ ہونے کی اطلاع ملی۔ امیدواروں اور عبوری نتائج کے انضمام کے دوران مبصرین کو آر او دفاتر میں داخل ہونے سے روک دیا گیا یا وہاں سے بے دخل کر دیا گیا۔[3] پولنگ اسٹیشنوں اور آر اوز کے دفاتر کے اندر غیر مجاز افراد کی موجودگی کی بھی اطلاعات ملیں۔

الیکشن سے قبل عسکریت پسندوں کے حملوں اور سڑکوں کی بندش کی وجہ سے بلوچستان میں ووٹر ٹرن آؤٹ انتہائی کم رہا۔ 7 فروری کو صوبے میں پشین اور قلعہ سیف اللہ میں دو بڑے بم دھماکوں میں 30 افراد ہلاک اور 50 زخمی ہوئے۔ پی ٹی آئی کے علاوہ، جن کے امیدواروں نے آزاد حیثیت سے انتخاب لڑا، بہت سی دوسری سیاسی جماعتوں نے انتخابی نتائج کو چیلنج کیا ہے اور خاص طور پر خیبر پختونخوا، سندھ اور بلوچستان میں احتجاج درج کرایا ہے۔ بلوچستان میں انتخابات کے بعد بھی زیادہ تر سڑکیں اور مواصلاتی نیٹ ورک بند رہے۔

انتخابات کا مشاہدہ کرنے اور پولنگ سے پہلے اور بعد کے ماحول کی نگرانی کی اپنی دہائیوں پرانی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے آزادانہ، منصفانہ اور قابل اعتماد انتخابات کے لیے اپنے عزم کو ظاہر کرنے کے لیے یہ مشق ایک بار پھر دہرائی۔ سیاسی تقسیم، انتخابات میں تاخیر کے خدشات، نگراں حکومتوں کی مدت میں توسیع، عدلیہ اور ای سی پی جیسے اداروں کی بظاہر جانبداری، معلومات کے حق کی خلاف ورزی، اظہار رائے، اجتماع اور انجمن سازی کی آزادی، معین طریق کار اور شفاف ٹرائل اور یہاں تک کہ راز داری کے حق کی خلاف ورزیاں، جو 9 مئی کے ہنگاموں کے بعد زیادہ سنگین ہو گئیں، کے پیش نظر ایچ آر سی پی نے محسوس کیا کہ انتخابات کے منصفانہ ہونے کا فیصلہ صرف انتخابات کے دن نہیں کیا جا سکتا۔ ایچ آر سی پی کے مطابق، اس نے پانچ ماہ پر محیط ایک باقاعدہ قبل از انتخابات نگرانی کی مشق کرنے کا فیصلہ کیا (ملاحظہ کریں قبل از انتخابات نگرانی)۔

پولنگ کے دن کے لیے، ایچ آر سی پی نے پنجاب، سندھ، بلوچستان، خیبر پختونخواہ اور دار الحکومت اسلام آباد کے علاقوں میں کل 133 تربیت یافتہ مبصرین کی خدمات حاصل کیں۔ کمیشن کی ٹیموں نے 51 حلقوں کے 219 پولنگ اسٹیشنوں میں انتخابی عمل کا مشاہدہ کیا۔ اگرچہ یہ مشق کسی بھی طرح سے قومی سطح پر انتخابی عمل کے مشاہدے کی نمائندگی نہیں کرتی، اس کے باوجود یہ ایک جامع مشق تھی جو اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ کس طریقے سے انتخابات کرائے گئے تھے۔ ایچ آر سی پی خاص طور پر خواتین، خواجہ سراؤں، بزرگوں، معذوری کے ساتھ جیتے افراد، اور مذہبی اقلیتوں سمیت کمزور اور پسماندہ گروہوں کے ووٹ ڈالنے کے حق کے بارے میں فکرمند تھا، اور اس نے اپنے مبصرین کو ان کی نقل و حرکت پر گہری نظر رکھنے کی تلقین کی تھی (انتخابی

جائزہ مشق دیکھیں)۔

ایچ آر سی پی نے انتخابی اصلاحات پر جو کام کیا ہے،[4] انتخابی عمل پر اس کے مشاہدے کے ساتھ ساتھ اس کے عہدیداروں اور انتخابی مبصرین سے موصول ہونے والے عمومی مشاہدات کی روشنی میں، اس رپورٹ میں سفارشات کا ایک مجموعہ پیش کیا گیا ہے جس کا مقصد اس وسیع مشق کو قابل اعتبار اور شفاف بنانا ہے تا کہ آئین پرستی اور جمہوری طرز حکمرانی کی اقدار فروغ پا سکیں۔

ایچ آر سی پی نے قبل از انتخابات نگرانی کے لیے تجربہ کار صحافیوں، وکلاء اور سول سوسائٹی کے کارکنوں پر مشتمل ایک ورکنگ گروپ تشکیل دینے کا فیصلہ کیا۔ اس ورکنگ گروپ کے تحت، ایچ آر سی پی نے یکم جنوری 2023 سے 7 فروری 2024 کے دورانیے پر مشتمل 'الیکشن واچ' کے پانچ شمارے شائع کیے ہیں۔[5]

مرکزی دھارے کے میڈیا میں جو کچھ رپورٹ کیا گیا اس پر بھروسہ کرتے ہوئے، ان بلیٹنز میں سبکدوش ہونے والی حکومت کی طرف سے جلد بازی میں کی گئی قانون سازی (جسے انتخابی نتائج پر اثر انداز ہونے کی ایک کوشش قرار دیا گیا)، نگراں حکومتوں کی تشکیل اور طرز عمل، اور ای سی پی، عدلیہ، میڈیا، فوج اور سیکورٹی ایجنسیوں کے کردار کو مدنظر رکھا گیا۔

بلیٹن میں انتخابات کی تاریخ اور انتخابات کی ممکنہ شفافیت سے متعلق خدشات، 9 مئی کے فسادات اور انہیں انتخابی نتائج کو متاثر کرنے کے لیے استعمال کیے جانے کے خدشات، لیول پلیئنگ فیلڈ کی عدم موجودگی کے الزامات مخصوص لوگوں کا احتساب اور سیاسی جماعتوں کے خلاف کریک ڈاؤن کا بھی ذکر کیا گیا۔ پارٹی رہنماؤں کی من مانی گرفتاریوں اور رہائی کے بعد دوبارہ گرفتاریوں، پولیس کے چھاپوں، رازداری کے حق کی خلاف ورزیوں کے تناظر میں اظہار رائے کی آزادی پر پابندیاں، معین طریق کار اور منصفانہ ٹرائل کے حق کی خلاف ورزیاں، اور عام شہریوں کے فوجی عدالتوں میں ٹرائل کے خلاف اعلیٰ عدالتوں کے فیصلے بھی بلیٹن کا حصہ رہے۔

بلیٹن میں سپریم کورٹ کے اس فیصلے کو بھی ریکارڈ کیا گیا جس نے ایک بڑی سیاسی جماعت پی ٹی آئی کو اس کے انتخابی نشان سے محروم کرنے کے ای سی پی کے فیصلے کو برقرار رکھا، جس کے بعد پارٹی کے رہنما عمران خان کے خلاف گزشتہ دس دنوں میں لگاتار عدالتی فیصلے آئے۔ عام اور مخصوص نشستوں پر خواتین امیدواروں کی تعداد، نیز انتخابی فہرستوں میں عقیدے کی بنیاد پر امتیازی سلوک کے نتیجے میں احمدی برادری کے حق رائے دہی سے محرومی پر بھی تبصرہ کیا گیا۔ بلیٹن میں بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں عسکریت پسندی اور بگڑتی ہوئی سیکیورٹی کی صورتحال سے متعلق متعدد واقعات کو قلمبند کیا گیا۔

ان تمام مشاہدات نے اس مفروضے کو تقویت دی کہ 2024 کے انتخابات صریحاً متنازعہ ہوں گے۔

پولنگ کے دن سے پہلے، تمام مبصرین نے ایچ آر سی پی کے زیر اہتمام مقامی تربیتی ورکشاپس میں شرکت کی۔ تربیت کاروں نے ای سی پی کے جاری کردہ مبصرین کے ضابطہ اخلاق کی وضاحت کی، شرکاء کو انتخابات سے متعلق قوانین (انتخابات ایکٹ 2017 اور اس کے نتیجے میں ہونے والی ترامیم کے ساتھ ساتھ الیکشن ضوابط 2017) کے بارے میں آگہی فراہم کی، اور انتخابی عمل اور پولنگ کے عملے کی ذمہ داریوں کا خاکہ پیش کیا۔ مبصرین کو تفصیلی لاگ بک جاری کی گئی تھی جس میں انہوں نے اپنے مشاہدات بیان کرنا تھے اور انہیں پولنگ کے پورے دن اپنے مقرر کردہ حلقوں میں پہلے سے طے شدہ پولنگ اسٹیشنوں کے دورے کرنا تھے۔

ہر مبصر نے پولنگ اسٹیشن کھلنے سے پہلے کی کارروائی کے مشاہدے سے لے کر ووٹوں کی گنتی تک اوسطاً 1.7 پولنگ اسٹیشنوں کا دورہ کیا۔ تاہم، نگراں حکومت کی جانب سے موبائل سروس کی معطلی کے باعث مبصرین اگلے دن تک ایچ آر سی پی کو اپنے مشاہدات نہ بھیج سکے۔

مبصرین نے مندرجہ ذیل حلقوں میں انتخابی عمل کا مشاہدہ کیا:

صوبہ	حلقہ نمبر	علاقہ
خیبر پختونخواہ		
	این اے-22	مردان-II
	این اے-23	مردان-III
	این اے-27	خیبر
	این اے-31	پشاور-IV
	این اے-44	ڈیرہ اسماعیل-I
دارالحکومت اسلام آباد		
	این اے-46	آئی سی ٹی-I
	این اے-47	آئی سی ٹی-II
	این اے-48	آئی سی ٹی-III
پنجاب		
	این اے-56	راولپنڈی-V
	این اے-57	راولپنڈی-VI
	این اے-74	سیالکوٹ-V
	این اے-127	لاہور-XI
	این اے-128	لاہور-XII
	این اے-130	لاہور-XIV
	این اے-145	خانیوال-II
	این اے-149	ملتان-II
	این اے-151	ملتان-IV
	این اے-167	بہاولپور-IV
	این اے-168	بہاولپور-V
سندھ		
	این اے-200	سکھر-I
	این اے-201	سکھر-II
	این اے-229	ملیر-I
	این اے-236	کراچی ایسٹ-II
	این اے-239	کراچی ساؤتھ-I
	این اے-241	کراچی ساؤتھ-III
	این اے-242	کراچی کیماڑی-I
	این اے-243	کراچی کیماڑی-II
	این اے-247	کراچی سینٹرل-I
	این اے-248	کراچی سینٹرل-II
	این اے-249	کراچی سینٹرل-III
	پی ایس-54	تھرپارکر-III
	پی ایس-59	ٹنڈو الہیار-II
بلوچستان		
	این اے-252	موسیٰ خیل، بارکھان، لورالائی، دکی
	این اے-256	خضدار
	این اے-259	کیچ-گوادر
	این اے-263	کوئٹہ-II
	این اے-264	کوئٹہ-III
	این اے-265	پشین
	پی پی-04	موسیٰ خیل، بارکھان
	پی پی-05	لورالائی
	پی پی-07	زیارت-ہرنائی
	پی پی-15	صحبت پور
	پی پی-26	کیچ-II
	پی پی-27	کیچ-III
	پی پی-34	نوشکی
	پی پی-35	سوراب
	پی پی-40	کوئٹہ-III
	پی پی-42	کوئٹہ-V
	پی پی-43	کوئٹہ-VI
	پی پی-45	کوئٹہ-VIII
	پی پی-46	کوئٹہ-IX

موبائل سروس میں خلل کے باعث پولنگ اسٹیشنوں تک رسائی متاثر ہوئی

بہت سے ووٹروں نے اطلاع دی کہ ان کے پولنگ اسٹیشنوں کو راتوں رات من مانے طور پر تبدیل کر دیا گیا، جس کی وجہ سے ابہام پیدا ہوا اور یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے ووٹ ڈالنے کے لیے دوسرے پولنگ اسٹیشن نہ جانے کا فیصلہ کیا۔ موبائل سروس میں خلل نے اس ابہام کو مزید بڑھا دیا،

جب ایک گھر کے افراد کو یہ معلوم ہوا کہ ان کے ووٹ مختلف پولنگ اسٹیشنوں میں درج تھے۔ اس سے خاص طور پر معذوری کا شکار افراد، بزرگوں، محدود نقل وحمل کی حامل خواتین اور اُن کم آمدنی والے افراد کے لیے مشکلات پیدا ہوئیں جو اضافی سفر کے اخراجات کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔

خواجہ سرا ووٹروں کا شاذ و نادر ہی الگ سے اندراج کیا گیا تھا

صرف 17 فیصد خواجہ سرا افراد کا انتخابی فہرستوں میں اندراج کیا گیا تھا۔ مبصرین نے مشاہدہ کیا کہ زیادہ تر خواجہ سرا ووٹر مرد ووٹروں کی فہرست میں شامل تھے۔

کچھ پولنگ اسٹیشنوں پر معذوری کا شکار ووٹروں یا بزرگ شہریوں کی سہولت کے لیے تسلی بخش انتظامات کیے گئے تھے اور کچھ پر نہیں

کچھ مبصرین نے مشاہدہ کیا کہ پولنگ اسٹیشنوں میں ریمپ موجود نہیں تھے یا بعض صورتوں میں، گراؤنڈ فلور پر واقع نہیں تھے یا ان تک صرف تنگ کچی گلیوں کے ذریعے ہی پہنچا جا سکتا تھا۔ اس سے معذوری کا شکار ووٹروں اور بزرگ شہریوں کو مشکلات پیش آئیں۔

عام طور پر پولنگ عملہ اچھی طرح سے تیار اور مناسب ساز و سامان لیس تھا، لیکن ان میں سے بعض کو ذرائع نقل وحمل، کھانے، پانی اور بیت الخلا کی سہولیات تک رسائی حاصل تھی اور بعض کو نہیں۔

تمام پولنگ عملے میں سے تقریباً 90 فیصد نے کہا کہ انہوں نے ای سی پی سے تربیت حاصل کی ہے۔ تمام کیسز میں سے 87 فیصد میں پریزائیڈنگ افسران نے کہا کہ ان کے پاس پولنگ کا پورا مواد موجود ہے (جیسے کہ چھیڑ چھاڑ سے محفوظ بیلٹ بکس اور بیلٹ پیپر)۔ ایسے کیسز بہت کم تھے جن میں کچھ پولنگ اسٹیشنوں میں پولنگ کا دورانیہ ختم ہونے تک پولنگ کا سامان ختم ہوگیا ہو۔ تاہم، صرف 56 فیصد پولنگ کے عملے نے کہا کہ انہیں پولنگ کے دن یا اس سے ایک رات پہلے اپنے پولنگ اسٹیشن تک پہنچنے کے لیے سرکاری ٹرانسپورٹ فراہم کی گئی تھی۔ کچھ مبصرین نے مشاہدہ کیا کہ پولنگ کے عملے کو کھانا فراہم نہیں کیا گیا تھا اور پولنگ اسٹیشنوں میں بیت الخلا کی سہولت موجود نہیں تھی۔

پولنگ اسٹیشنوں کے احاطے میں تقریباً تمام بڑی جماعتوں کے پولنگ ایجنٹ موجود تھے۔

تمام کیسز میں سے 32 فیصد میں، مبصرین نے مشاہدہ کیا کہ تمام امیدواروں کے پولنگ ایجنٹ پولنگ اسٹیشنوں پر موجود نہیں تھے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آزاد امیدواروں کی ایک بہت بڑی تعداد انتخاب لڑ رہی تھی۔ عام طور پر، اہم سیاسی جماعتوں کی نمائندگی کرنے والے پولنگ ایجنٹ نتائج کے اعلان تک احاطے میں موجود رہے۔ مجموعی طور پر ووٹنگ کا عمل شفاف رہا۔

تقریباً تمام معاملات میں (95 فیصد)، پولنگ ایجنٹ اور امیدواروں کو پولنگ سے قبل خالی بیلٹ بکس دکھائے گئے۔ نمونے کے تمام پولنگ اسٹیشنوں کے صرف پانچویں حصے میں (19 فیصد)، مبصرین نے مشاہدہ کیا کہ ہر ووٹر کا نام

تمام پولنگ عملے میں سے تقریباً 90 فیصد نے کہا کہ انہوں نے ای سی پی سے تربیت حاصل کی ہے۔ تمام کیسز میں سے 87 فیصد میں پریزائیڈنگ افسران نے کہا کہ ان کے پاس پولنگ کا پورا مواد موجود ہے (جیسے کہ چھیڑ چھاڑ سے محفوظ بیلٹ بکس اور بیلٹ پیپر)۔ ایسے کیسز بہت کم تھے جن میں کچھ پولنگ اسٹیشنوں میں پولنگ کا دورانیہ ختم ہونے تک پولنگ کا سامان ختم ہوگیا۔ تاہم، صرف 56 فیصد پولنگ کے عملے نے کہا کہ انہیں پولنگ کے دن یا اس سے ایک رات پہلے اپنے پولنگ اسٹیشن تک پہنچنے کے لیے سرکاری ٹرانسپورٹ فراہم کی گئی تھی۔ کچھ مبصرین نے مشاہدہ کیا کہ پولنگ کے عملے کو کھانا فراہم نہیں کیا گیا تھا اور پولنگ اسٹیشنوں میں بیت الخلا کی سہولت موجود نہیں تھی۔

واضح طور پر نہیں پکارا گیا تھا جیسا کہ انتخابی فہرست میں درج تھا۔ تاہم، تقریباً تمام واقعات میں، پولنگ عملے نے ووٹ ڈالنے کے بعد ووٹروں کے انگوٹھوں پر انمٹ سیاہی کا نشان لگایا (98 فیصد)، جبکہ ووٹر کو بیلٹ پیپر دینے سے پہلے پریزائیڈنگ آفیسر کو ہر بیلٹ پیپر کے پچھلے حصے پر مہر لگاتے اور دستخط (98 فیصد) اور متعلقہ کاؤنٹر فوئل پر ضروری اندراج (91 فیصد) کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ بیلٹ باکس ہر وقت سب کی نظروں میں تھا اور ووٹروں کو تقریباً تمام واقعات (95 فیصد) میں خفیہ طور پر اپنے بیلٹ پیپر پر مہر لگانے کی اجازت تھی۔ تمام واقعات میں سے صرف 10 فیصد میں پولنگ عملے نے ووٹروں کی شکایات کا غیر تسلی بخش جواب دیا۔

زیادہ تر واقعات میں، انتخابی عمل پرامن اور انتخابی ضوابط کے مطابق جاری رہا۔

عام طور پر، پولنگ پرامن، منظم ماحول میں ہوئی (تمام واقعات کا 88 فیصد)۔ مبصرین نے مشاہدہ کیا کہ پولنگ کے احاطے میں مہم چلانے پر پابندی تمام واقعات میں سے 31 فیصد میں نہیں دیکھی گئی۔ تمام واقعات میں سے 65 فیصد میں، مبصرین نے مشاہدہ کیا کہ امیدوار ووٹروں کے گروہوں کو پولنگ اسٹیشنوں پر لے کر آئے۔ عام طور پر، احاطے میں غیر مجاز افراد کا مشاہدہ نہیں کیا گیا (تمام معاملات کا 78 فیصد)۔ تقریباً تمام واقعات میں، پولنگ مقررہ وقت پر ختم ہوئی (تمام مقدمات کا 90 فیصد) اور پولنگ اسٹیشن پر موجود ووٹروں کو اپنا ووٹ ڈالنے کی اجازت دی گئی (تمام مقدمات کا 95 فیصد)۔ تمام واقعات میں سے صرف 10 فیصد میں پولنگ کا مواد ختم ہونے کے باعث پولنگ میں خلل پڑا۔

قانون نافذ کرنے والے اداروں اور سیکورٹی اہلکاروں کا رویہ تبدیل ہوتا رہا۔

اگرچہ زیادہ تر مبصرین نے اطلاع دی کہ قانون نافذ کرنے والے باوردی افراد اور سیکورٹی اہلکار انتخابی ضوابط کی تعمیل میں پولنگ اسٹیشن کے باہر موجود رہے، لیکن اسے کچھ ووٹروں کے لیے ایک رکاوٹ تصور کیا گیا۔ تاہم، کچھ مبصرین نے اطلاع دی کہ قانون نافذ کرنے والے اہلکار پولنگ کے عملے کو ووٹوں کی گنتی ختم ہوجانے تک ہراساں کرتے رہے اور اصرار کرتے رہے کہ وہ اپنا کام جلد مکمل کریں۔

پولنگ کے بعد کے عمل کو غیر تسلی بخش اور غیر شفاف قرار دیا گیا۔

عام طور پر، پولنگ ایجنٹ دن بھر پولنگ اسٹیشن پر موجود رہے (تمام واقعات کا 82 فیصد) اور پولنگ ختم ہونے کے فوراً بعد ووٹوں کی گنتی شروع ہوگئی (تمام واقعات کا 87 فیصد)۔ ڈالے گئے ووٹوں کو مرد اور خواتین کے ووٹوں (70 فیصد) کے حساب سے الگ کیا گیا۔ زیادہ تر واقعات میں، گنتی پولنگ ایجنٹوں اور مبصرین (88 فیصد) کی موجودگی میں کی گئی۔ مشتبہ بیلٹس سے متعلق فیصلے کو تمام واقعات میں سے صرف 9 فیصد میں مبصرین نے غیر منصفانہ قرار دیا۔ تمام واقعات میں سے صرف 11 فیصد میں پولنگ ایجنٹوں نے گنتی کے بیان (فارم 45) کی تصدیق نہیں کی۔

تاہم، تمام کیسز میں سے 20 فیصد میں، پریزائیڈنگ افسر نے گنتی کے نتائج کے عوام کو آگاہ کرنے کے لیے کسی نمایاں جگہ پر چسپاں نہیں کیا یا اسے نتائج کی تصویر ریٹرننگ افسر اور ای سی پی کو منتقل کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ اس کی ایک بڑی وجہ موبائل سروس میں خلل قرار دی گئی۔ تمام کیسز میں سے 13 فیصد میں، ریٹرننگ افسر کا اعلان پریزائیڈنگ افسر کی گنتی سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ ایک مبصر نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ ووٹنگ کے بعد دھوکہ دہی کے امکانات کو کم کرنے کے لیے گنتی کے بیانات کو سلسلہ وار یا ڈیجیٹل طور پر ریکارڈ نہیں کیا گیا تھا۔

عبوری نتائج کی تیاری کا مشاہدہ کرنے کے خواہاں امیدواروں، پولنگ ایجنٹوں اور مبصرین کو پولنگ اسٹیشنوں میں داخلے کی اجازت نہ دیے جانے کی اطلاعات ملک بھر سے منظر عام پر آئی، خاص طور پر پنجاب کے NA-128 میں، جہاں پی ٹی آئی کے حمایت یافتہ امیدوار سلمان اکرم راجہ کو پولنگ کے عملے اور پولیس نے ووٹوں کی گنتی کے دوران پولنگ اسٹیشن میں داخل ہونے سے زبردستی روکا تھا۔[6] بعض واقعات میں امیدواروں، پولنگ ایجنٹوں اور مبصرین کو پولنگ اسٹیشن میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے طاقت کا بھی استعمال کیا گیا۔ خیبر پختونخوا کے حلقہ این اے 40 میں انتخابی امیدوار محسن داوڑ اور ان کے حامیوں پر مبینہ طور پر سیکیورٹی فورسز نے اس وقت فائرنگ کی، جب وہ نتائج کے اعلان میں تاخیر کے خلاف احتجاج کے لیے ریٹرننگ افسر کے دفتر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ واقعے میں دو افراد ہلاک ہوئے۔ ایسے واقعات نے پولنگ کی ساکھ کو بری طرح متاثر کیا۔

ایچ آر سی پی کے مشاہدات کے ساتھ ساتھ دیگر آزاد مبصرین کے ذریعے ریکارڈ کیے گئے مشاہدات — اور جیسا کہ ایچ آر سی پی کی جانب سے انتخابات سے پہلے کے ماحول کی نگرانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ صرف ای سی پی میں اہلیت کی کمی، بلکہ غیر جمہوری حلقوں کے مسلسل دباؤ اور نگراں حکومت کے قابل اعتراض فیصلوں کی وجہ سے بھی 2024 کے انتخابات کی شفافیت واضح طور پر متاثر ہوئی ہے۔ انتخابات کے بعد بلوچستان کے بیشتر علاقوں کی اور میران شاہ میں ایک انتخابی امیدوار کو تشدد کا نشانہ بنائے جانے کے خلاف مقامی مظاہروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان انتخابات کے انعقاد کے طریقے کے حوالے سے لوگوں میں جو عدم اطمینان پایا جاتا ہے وہ صرف مرکزی دھارے کی جماعتوں اور ان کے حامیوں تک محدود نہیں ہے۔

اب تمام سیاسی جماعتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مستقل، بامعنی اور جامع سیاسی مکالمے کے ذریعے اجتماعی طور پر سویلین بالادستی کو برقرار رکھیں اور اس کا تحفظ کریں۔ درحقیقت، ان انتخابات کا سب سے بڑا نقصان کسی ایک فرد یا سیاسی جماعت کا نہیں بلکہ جمہوری اقدار، قانون کی حکمرانی اور عام لوگوں کی امنگوں کا ہوا ہے۔

ایچ آر سی پی مندرجہ ذیل سفارشات پیش کرتا ہے:

- ایک پارلیمانی باڈی جس میں تمام سیاسی جماعتوں کی نمائندگی ہو، کی زیرنگرانی آزاد ماہرین کے ذریعے 2024 کے انتخابات کی مکمل اور آزادانہ تحقیقات کی جائے۔

پارلیمنٹ میں نگراں حکومت کی اسکیم کی افادیت پر بحث ہونی چاہیے۔ نگراں حکومتیں اکثر غیر جانبدار ثابت نہیں ہوئیں اور انہوں نے انتخابات کی ساکھ بحال کرنے کے بجائے انہیں مزید متنازعہ بنانے کا کردار ادا کیا ہے۔

- ای سی پی کو شفافیت اور احتساب کے اغراض ومقاصد کی خاطر تمام انتخابی ریکارڈ کم از کم پانچ سال تک برقرار رکھنا چاہیے۔
- جیسا کہ ایچ آر سی پی نے متعدد مواقع پر نشاندہی کی ہے، سیاسی جماعتوں کو انتخابی نتائج کی تشکیل اور رہنمائی میں غیر جمہوری قوتوں کے کردار پر مشترکہ طور پر غور وفکر کرنا چاہیے۔[7] سیکورٹی اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کا انتخابی عمل یا اس کے نتائج کے انتظام میں کوئی کردار ادا نہیں ہونا چاہیے۔
- پارلیمنٹ میں نگراں حکومت کی اسکیم کی افادیت پر بحث ہونی چاہیے۔ نگراں حکومتیں اکثر غیر جانبدار ثابت نہیں ہوئیں اور انہوں نے انتخابات کی ساکھ بحال کرنے کے بجائے انہیں مزید متنازعہ بنانے کا کردار ادا کیا ہے۔
- پولنگ کے دن اور پولنگ ختم ہونے کے بعد موبائل اور انٹرنیٹ سروسز بلا رکاوٹ دستیاب ہونی چاہئیں۔ یہ نہ صرف اس لیے اہم ہے کہ اس سے ووٹروں اور پولنگ کے عملے کو سہولت ملتی ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ کسی ہنگامی صورت حال میں رابطے کی کمی — اگر اس دن سیکیورٹی میں خرابی واقع ہوتی ہے — جانوں کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔ قابل رسائی پولنگ اسٹیشن، خاص طور پر بزرگ شہریوں اور معذوری کا شکار افراد کے لیے، استثنا کی بجائے ایک معمول ہونا چاہیے۔
- ڈیجیٹل نتائج کی ترسیل کے نظام کے عام انتخابات میں استعمال سے پہلے اس کی ضمنی انتخابات کے دوران آزمائش کی جانی چاہیے۔
- ای سی پی کو انتخابات ایکٹ 2017 کے مطابق اور الیکشن کی تاریخ سے 14 دنوں کے اندر اندر جلد از جلد اپنی ویب سائٹ پر تمام فارم 45 (گنتی کے نتائج)، فارم 46 (بیلٹ پیپر کا شمار)، فارم 48 (پریزائیڈنگ افسران کی طرف سے فراہم کردہ گنتی کے نتائج کا جامع بیان) اور فارم 49 (حتمی مجموعی نتیجہ) کو شائع کرنا چاہیے۔
- ناراض سیاسی جماعتوں یا امیدواروں کی جانب سے درخواستیں موصول ہونے پر ای سی پی کو قریبی مقابلوں میں بیلٹ کی دوبارہ گنتی کا حکم دینا چاہیے اور خاص طور پر ایسے واقعات میں جہاں مسترد شدہ بیلٹس کی تعداد جیت کے مارجن سے زیادہ ہو، جہاں آر او کے فیصلے پر نظرثانی کی ضرورت ہو۔ سیاسی جماعتوں اور امیدواروں کی جانب سے غیر قانونی اور بے ضابطگی کے الزامات کی تحقیقات ترجیحی طور پر کی جانی چاہئیں اور ای سی پی کو انتخابات ایکٹ 2017 کے سیکشن 55 کے تحت اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے ذمہ داروں کے خلاف کارروائی شروع کرنی چاہیے ۔

[1] https://pulse.internetsociety.org/shutdowns/no-mobile-data-during-elections-in-pakistan

[2] پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے ان دونوں معاملات پر کھلِ عام تشویش کا اظہار کیا۔

[3] فری اینڈ فیئر الیکشن نیٹ ورک نے اپنی ابتدائی رپورٹ میں کہا کہ آر اوز نے اس کے تقریباً نصف مبصرین کو ووٹوں کی گنتی کے دوران پولنگ اسٹیشن میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔
ملاحظہ کریں: https://fafen.org/fafen-preliminaryelection-observation-report-of-general-election-2024/

[4] https://hrcp-web.org/hrcpweb/wpcontent/uploads/2020/09/2023-Making-Elections-Credible.pdf

[5] https://hrcp-web.org/hrcpweb/thematic-reports/

[6] ای سی پی کا نوٹیفکیشن بالآخر واپس لے لیا گیا۔ ملاحظہ کریں:
https://www.samaa.tv/208739777-ecp-withdraws-victory-notification-of-na-128-candidate

[7] https://hrcp-web.org/hrcpweb/wp-content/uploads/2020/09/2023-Making-Elections-Credible.pdf

جان لیوا مزدوری

ذیشان نوئیل

بلوچستان اور گلگت بلتستان مین کان کنوں کی صورت حال



خلاصہ

بلوچستان اور گلگت بلتستان میں کان کنی کا شعبہ دونوں خطوں کی اقتصادی سرگرمیوں میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔ عین اسی وقت، اس شعبے میں مزدوروں کے حقوق کی خلاف ورزیاں دیکھنے میں آتی ہیں جن پر شاذ و نادر ہی توجہ دی جاتی ہے اور اسے قومی ترجیح نہیں سمجھا جاتا۔ اگرچہ دونوں خطوں میں اس شعبے کو قوانین کے ایک جامع مجموعے کے ذریعے منظّم باضابطہ بنایا جاتا ہے جس میں مائنز ایکٹ 1923 اور صوبے کے لیے مخصوص کان کنی سے متعلق مراعاتی ضوابط شامل ہیں، تاہم ان کا نفاذ بدستور کمزور ہے۔

مزدوروں کے حقوق کی مایوس کن صورتحال جزوی طور پر ملکیت کیا یک ایسے ڈھانچے کی وجہ سے ہے جو ذیلی معاہدے پر انحصار کرتا ہے، جس سے نفاذ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ بلوچستان میں، کانوں کے مالکان عموماً کان کو ایک ٹھیکیدار کو لیز پر دیتے ہیں، جو بدلے میں مزدوروں کے انتظام اور ٹھیکے کے لیے ایک جمعدار کی خدمات حاصل کرتا ہے۔ مکمل طور پر منافع کے مقصد سے کارفرما اور کام کے غیر منظّم ماحول میں کام کرتے ہوئے، متعلقہ شراکت دار کان کنوں کے لیے ایک محفوظ اور صحت مند کام کے ماحول کی فراہمی میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ یہ معاہدے گلگت بلتستان میں نمایاں طور پر مختلف ہیں، جہاں کمیونٹی لیبر کے حصول اور معاہدہ کرنے میں ایک مرکزی فریق کے طور پر ابھرتی ہے۔

مزدوری کے معاہدے غیر رسمی ہوتے ہیں، اور دونوں خطوں میں ماہانہ اوسط اجرت 50,000 روپے کے لگ بھگ ہے۔ قرض کی غلامی، بچوں کی مشقت اور بدسلوکی کی مثالیں عام ہیں۔ معاہدے کی غیر رسمی نوعیت کے پیش نظر، موت، چوٹ یا حادثات کا بہت کم معاوضہ ملتا ہے۔ چونکہ بلوچستان میں زیادہ تر کان کن غیر مقامی ہیں (عام طور پر سوات، دیر اور شانگلہ سے، حالانکہ افغان، بنگالی، نیپالی اور مالدیپ کے مزدور بھی)، روزگار کے لیے ان کی مایوسی انہیں کام کے استحصالی انتظامات اور کم اجرت کی طرف لے جاتی ہے۔ تاہم، گلگت بلتستان میں زیادہ تر کان کن مقامی ہیں، جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ٹھیکے دینے اور مزدوروں کی خدمات کے حصول سے متعلق فیصلہ سازی میں کمیونٹی کا ایک اہم کردار ہے۔

کانوں کے خال خال اور بے قاعدہ معائنوں کی وجہ سے سامان کی فراہمی اور صحت اور حفاظت کے معیارات کی دیکھ بھال کا متاثر ہونا عام ہے۔ اطلاعات کے مطابق، بلوچستان میں بارودی سرنگوں کے صرف بیس انسپکٹر ہیں، یوں چیف انسپکٹر کی صلاحیت کو انتہائی محدود کر دیا گیا ہے۔ سیاسی منشاء اور محکمانہ بے عملی کے باعث یہ مسئلہ مزید سنگین ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا حربہ ہے جس کے ذریعے مرکزی فریقین اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ یہ مایوس کن صورتحال برقرار رہے۔ اطلاعات کے مطابق، گلگت بلتستان میں صورتحال قدرے بہتر ہے جہاں بغیر کسی پروٹوکول کے کانوں کے غیر رسمی اور بے ترتیب معائنے کیے جاتے ہیں۔

نتیجتاً، ایسے کم لاگت والے، قدیم طریقے استعمال کیے جاتے ہیں جو اکثر حادثات کا باعث بنتے ہیں اور کان کنوں کی زندگی کو شدید خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔ حادثات کی بڑی وجوہات میں ہوا کی آمدورفت کا مناسب نظام نہ ہونا، ناقص اور کمزور لکڑی کے استعمال کی وجہ سے کانوں کا منہدم ہو جانا، لفٹ کا گر جانا، اور زہریلی گیسوں کا غیر متوقع اخراج اور اس کے نتیجے میں اچانک احتراق اور دھماکے شامل ہیں۔ انتباہی نظام، حاضری کا ریکارڈ، اور حادثات کی صورت میں پروٹوکول موجود نہیں ہیں۔ کان کنی کے غیر معیاری طریقوں سے وابستہ یہ اور دیگر عوامل کان کنی کے کارکنوں کی درمیانی اور طویل مدتی صحت کے لیے سنگین خطرہ بنے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے سانس کی مختلف بیماریاں پھیل رہی ہیں۔ دونوں خطوں میں کان کنی کے علاقوں میں بھی ضروری ہنگامی خدمات کی فراہمی کی شدید کمی ہے، جس کے نتیجے میں ان حادثات سے ہونے والے جانی نقصان کو کم نہیں کیا جا سکا جن پر قابو پایا جا سکتا تھا۔

جہاں تک بلوچستان کا تعلق ہے تو سرکاری اور نجی دونوں کانوں میں کان کنوں کی یونین سازی ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ اگرچہ صوبے میں 25 سے زیادہ یونینیں موجود ہیں، ان کی سربراہ لیبر ٹھیکیدار یا دیگر افراد ہوتے ہیں جن کے درمیان مفادات کا شدید ٹکراؤ پایا جاتا ہے۔ فیڈریشنز بھی، سرکاری اداروں اور کان کے مالکان (یا ان کے نامزد ٹھیکیدار) کے ساتھ ایسے معاہدے کرنے کے لیے جانی جاتی ہیں جو کان کنوں کے مفادات کے برعکس ہوتے ہیں۔ یہاں کے مسائل میں ایمپلائز اولڈ ایج بینیفٹ انسٹی ٹیوشن (ای او بی آئی) میں مزدوروں کی بروقت رجسٹریشن نہ ہونا، تعلیمی وظائف میں اقربا پروری، لیبر کالونیوں میں کوارٹرز کی الاٹمنٹ اور شادی کی گرانٹس میں غبن شامل ہیں۔ گلگت بلتستان میں کان کنوں کی باضابطہ یونینیں موجود نہیں ہیں، چونکہ مقامی کمیونٹی کی ایک تنظیم کام کی نگرانی کرتی ہے، مزدوروں سے معلومات لیتی ہے اور مالک، ٹھیکیدار یا کمپنی کے ساتھ معاملات طے کرتی ہے۔

مفادات کا ٹکراؤ بالکل اوپر سے شروع ہوتا ہے۔ مضبوط سیاسی نسب رکھنے والے افراد اور قبائلی رہنماؤں کا کانوں میں سب سے زیادہ حصہ ہے، خاص طور پر بلوچستان کے معاملے میں، اس کے بعد ریٹائرڈ بیوروکریٹس اور ججز کی باری آتی ہے۔ سیکورٹی ایجنسیاں، خاص طور پر فرنٹیئر کور (ایف سی) بھی سیکورٹی فراہم کرنے اور اس شعبے سے کرایہ وصول کرنے میں اہم فریق بن کر ابھری ہیں۔ گلگت بلتستان میں انتظامات بالکل مختلف ہیں جہاں کانوں کی ملکیت مقامی کمیونٹی کے پاس ہوتی ہے جو مقامی کمیٹیوں کے ذریعے معاملات چلاتی ہے۔ فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن (ایف ڈبلیو او) بھی اس خطے میں سرگرم ہے۔ رسمی اور غیر رسمی عناصر دو طریقوں سے پیسہ کماتے ہیں: رسمی اور غیر رسمی ٹیکس کے ذریعے اور ایسے نمایاں منافع کے ذریعے جو مٹھی بھر افراد کماتے ہیں۔ کان کنی کے شعبے میں نفاذ اور جوابدہی کو یقینی بنانے میں بیوروکریسی، عدلیہ اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کا کردار مفادات کے اس ٹکراؤ کی وجہ سے غیر مؤثر ہے۔ معاشی فوائد چند لوگوں کے ہاتھوں میں مرکوز رہتے ہیں، جس میں کمیونٹی کی ترقی کا کوئی عنصر شامل نہیں ہوتا۔

تمام اصلاحی اقدامات کا آغاز اس بات سے ہونا چاہئے کہ پاکستان بین الاقوامی لیبر آرگنائزیشن (آئی ایل او) کے کنونشن C176 کی توثیق کرے۔ مذکورہ کنونشن کان کنوں کی حفاظت اور صحت کو یقینی بناتا ہے۔ نیز، مائنز ایکٹ 1923 اور اس سلسلے میں

بنائے گئے صوبائی قوانین کے موثر نفاذ کو یقینی بنانے کے لیے ایک پالیسی فریم ورک اور ایکشن پلان کی ضرورت ہے جو کہ مفادات کے تصادم کی تعریف کو واضح طور پر بیان کرتا ہو۔ معائنوں کے معیار اور تعدد کو بڑھانے کے لیے کانوں کے محکموں کی صلاحیت کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ کان کنوں کی رجسٹریشن، ای او بی آئی اور دیگر فلاحی اسکیموں تک ان کی رسائی اور ان کے حقوق کے تحفظ اور نفاذ کی ضمانت کے لیے باقاعدہ معاہدہ کے طریقہ کار کے استعمال کو یقینی بنایا جانا چاہیے۔ انہیں حفاظتی اقدامات اور ہنگامی پروٹوکول کے بارے میں بھی تربیت دی جانی چاہیے اور صنعت کے معیاری حفاظتی آلات فراہم کیے جانے چاہئیں۔ چائلڈ لیبر کی لعنت کو ختم کیا جانا چاہیے اور بچوں کی زندگیوں اور حقوق کے تحفظ کے لیے ایک جامع حکمت عملی تشکیل دی جانی چاہئے۔ ایسی کارروائیوں میں ملوث کان کے مالکان اور ٹھیکیداروں کے خلاف جرمانے عائد کیے جانے چاہئیں۔ آخر میں، بروقت عدالتی فیصلوں اور کان کنوں کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے مسلسل ایڈووکیسی کی ضرورت ہے۔

تعارف

پاکستان میں بلوچستان اور گلگت بلتستان (جی بی) کے علاقوں میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو شاذ و نادر ہی زیر بحث لایا جاتا ہے، اور ان کے ازالے کو شاید ہی قومی ترجیح سمجھا جاتا ہے۔ ان خطوں کی پیچیدہ سیاسی تاریخ، رسمی اور غیر رسمی حکمرانی کے اداروں کا کردار، عجیب وغریب قطعہ زمین، شدید غربت، اور قدرتی وسائل کی سیاست ان کمزور گروہوں کی آوازوں کو بلند نہیں ہونے دیتی جو اکثر حکمران اشرافیہ کے جبر کا نشانہ بنتے ہیں، چاہے یہ ریاستی ادارے ہوں یا مقامی جاگیر دار۔

کان کنی کا شعبہ بلوچستان اور گلگت بلتستان کی معیشت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ دونوں خطوں کی آمدنی اور معاشی ترقی میں براہ راست حصہ ڈالتے ہوئے، یہ صنعت متعدد ذیلی اور متعلقہ صنعتوں بشمول نقل و حمل، تعمیرات اور لاجسٹکس سے متعلق سرگرمیوں کو فروغ دیتی ہے۔ پاکستان کی کل معدنی پیداوار میں بلوچستان کا حصہ 10 فیصد ہے جو اسے ملک میں کان کنی کی صنعت کا ایک اہم مرکز بناتا ہے۔ صوبے میں بڑے اور چھوٹے پیمانے پر کان کنی کے آپریشنز جاری ہیں، جن میں بنیادی طور پر کوئلہ، تانبا، سونا اور خام لوہا نکالنے پر توجہ دی جاتی ہے۔ اس شعبے نے 2007 اور 2016 کے درمیان صوبائی جی ڈی پی میں تقریباً 6 فیصد کا حصہ ڈالا۔ بلوچستان میں کان کنی کی صنعت کے مقابلے میں، جی بی میں کان کنی کی صنعت نسبتاً چھوٹی ہے، اگرچہ وہاں معدنی ذخائر، خاص طور پر قیمتی پتھر، تانبا، سونا اور چاندی وافر مقدار میں ہیں۔

پاکستان میں کان کن استحصال اور حقوق سے محرومی کی ایک افسوسناک تصویر پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ گلگت بلتستان میں کان کنوں سے متعلق محدود لٹریچر دستیاب ہے، لیکن مذکورہ وجوہات کی بناء پر وہ ان دونوں خطوں میں زیادہ غیر محفوظ ہو گئے ہیں۔ پاکستان میں کان کنی کی کارروائیوں کو مائنز ایکٹ 1923 کے ذریعے منظم کیا جاتا ہے، صوبوں میں کان کنی کے رعایتی قوانین نافذ ہیں۔ اگرچہ یہ قوانین کان کنوں کی حفاظت اور بہبود کو یقینی بنانے کے لیے ایک ٹھوس فریم ورک فراہم کرتے ہیں، لیکن ان کا نفاذ انتہائی کمزور ہے۔ اس طرح، دونوں خطوں میں کان کن — خاص طور پر بلوچستان میں کوئلے کے کان کن اور جی بی میں قیمتی پتھروں کے کان کن — استحصالی طریقوں کا شکار رہتے ہیں اور ایسے خطرناک حالات میں کام کرتے ہیں جو اکثر ان کی زندگیوں کو براہ راست خطرے سے دوچار کر دیتے ہیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) اور انڈسٹریال کی متعدد رپورٹس ظاہر کرتی ہیں کہ پاکستان کے کوئلے کی کانیں، جو بنیادی طور پر بلوچستان میں واقع ہیں، عالمی سطح پر کام کرنے کی چند خطرناک جگہیں ہیں۔ بار بار پیش آنے والے جان لیوا حادثات کے علاوہ، کانوں میں مناسب حفاظتی اقدامات اور جدید آلات کی عدم موجودگی میں کوئلے کے کان کن شدید بیماریوں اور تاحیات بیماریوں کا شکار رہتے ہیں۔ کان کن عام طور پر مناسب آلات استعمال نہیں کرتے اور اپنے معمول کے لباس میں بارودی سرنگوں میں داخل ہوتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں سینکڑوں کان کن حادثات میں اپنی جانیں گنوا چکے ہیں۔ اگر بنیادی حفاظتی معیارات پر عمل کیا جاتا تو اس سے بچا جا سکتا تھا۔ یہ رپورٹس اور دیگر خبریں بتاتی ہیں کہ 2005 اور 2012 کے درمیان 300 سے زائد کوئلے کے کان کن ہلاک اور درجنوں زخمی ہوئے۔ صرف 2011 میں 33 واقعات میں 92 مزدور اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ایک اور خبر میں بتایا گیا ہے کہ 2010 سے 2018 تک بلوچستان میں کوئلے کی کانوں میں کام کرتے ہوئے کم از کم 318 کان کنوں کی موت ہوگئی۔ انڈسٹریال کی ایک اور رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ 2021 سے اب تک بلوچستان میں کوئلے کی کانوں میں ہونے والے حادثات میں 300 سے زائد کان کن ہلاک اور 100 شدید زخمی ہوئے۔ اس سال صرف مارچ میں بلوچستان میں کوئلے کی کانوں میں ہونے والے حادثات میں تقریباً 30 کان کن جان سے گئے۔ ان رپورٹس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حفاظتی معیارات اور مطلوبہ ساز وسامان کی کمی کی وجہ سے ہونے والے حادثات کے علاوہ، کوئلے کی کان کنوں کو اب مقامی ملیشیا اور کالعدم تنظیموں سے خطرہ لاحق ہے جو ان کی زندگیوں کے لیے شدید چیلنجز کا باعث ہیں۔

بلوچستان میں کان کنوں سے متعلق اپنی تحقیق میں، سلیم (2001) نے لیبر کے انتظامات، یونین سازی اور لیبر کے معائنے کے فقدان، جس کی وجہ سے کان کنوں کی خوفناک حالت ہوئی اور آخر کار ان کی جانیں گئیں، پر بھی تنقید کی۔ انہوں نے مزدوروں کے استحصالی انتظامات کی نشاندہی کی جس کا استعمال کرتے ہوئے غریب مزدوروں کو ان کے گھروں سے دور جمعداروں اور جوریسروں (مقامی ٹھیکیداروں) کے ذریعے ملازمت کے تحفظ، معقول اجرت اور مطلوبہ طبی امداد کے بغیر بھرتی کیا جاتا ہے۔ یہ مزدور اپنی جسمانی طاقت پر بھروسہ کرتے ہیں اور کم سے کم تربیت کے ساتھ غیر محفوظ حالات میں کام کرتے ہیں اور مہلک حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چونکہ انہیں پیشگی رقم کی ادائیگی کے ذریعے ملازمت پر رکھا جاتا ہے، اس لیے وہ کئی معاملات میں گروی مزدور بھی بن جاتے ہیں اور برسوں تک ان کانوں میں کام کرتے رہتے ہیں۔ کانوں کا معائنہ کرنے اور کان کے مالکان کو جوابدہ بنانے کے ذمہ دار مائنز ڈیپارٹمنٹ کی سیاسی منشاء اور صلاحیت کی کمی صورتحال کو مزید ابتر بنا دیتی ہے۔ انہوں نے یونین سازی کی اہمیت اور اس کی صلاحیت کی کمی کو بھی ان عوامل کے طور پر اجاگر کیا جو ان کارکنوں کی حالت کو بہتر بنانے میں مدد دے سکتے تھے۔

مذکورہ دستاویز میں بار بار مائنز ایکٹ 1923 کے موثر نفاذ اور آئی ایل او کے کنونشن C-176 کی توثیق کا مطالبہ کیا گیا ہے اور اسے کانی کارکنوں کے کام کے حالات کو بہتر بنانے کی جانب ایک قدم قرار دیا گیا ہے۔ بلوچستان کے حوالے سے دستیاب وسیع اعداد و شمار اور لٹریچر کے برعکس، گلگت بلتستان میں کان کنوں کے مصائب کو اس طرح سے قلم بند نہیں کیا گیا۔ نیز، کان کنی کے شعبوں کی سیاسی معیشت اور اس شعبے کو چلانے والے رسمی اور غیر رسمی اداروں سے متعلق اعداد و شمار موجود نہیں ہیں۔ نئے اداکاروں اور انتظامات کو اہمیت حاصل ہونے کے بارے میں نئی معلومات دستیاب ہیں اور کان کنی کے شعبے کی سیاست اور اس بات کا مطالعہ کرنا ضروری ہے کہ اس کا کان کنوں کے کام کے حالات پر کیا اثر پڑتا ہے۔ ایک اور شعبہ جو ابھی تک لٹریچر کا حصہ نہیں بن سکا وہ یونینوں کی صلاحیت اور اندرونی سیاست ہے جو دونوں خطوں میں کان کنوں کے حالات زندگی کو بہتر بنانے میں فیصلہ کن کردار ادا کر سکتی ہے۔

بلوچستان اور جی بی میں کان کنوں کی موجودہ صورت حال کو دستاویزی شکل دینے کے علاوہ، اس تحقیق میں ان موضوعات کو تلاش کرنے اور ان بنیادی وجوہات اور بیرونی عوامل کا تجزیہ کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے جو پاکستان میں کان کنوں کے لیے اس طرح کے غیر انسانی کام کے حالات کا باعث بنتے ہیں۔ اس رپورٹ کا اگلا حصہ دونوں خطوں میں کانوں کے مزدوروں کی مجموعی صورت حال کے علاوہ ان کے مزدوری کے انتظامات، صحت اور حفاظت، معاوضہ اور اجرت، اور یونین سازی کے حق سے متعلق ہے۔ سیکشن 3 مختصراً کان کنی کی صنعت کی سیاسی معیشت، اس پر

حکومت کرنے والے رسمی اور غیر رسمی اداروں، احتساب کے طریقہ کار کی سیاست اور مقامی کمیونٹیز کی ترقی کی خواہشات کی مختصر وضاحت کرتا ہے۔ آخری حصے میں اس تحقیق کے نتائج اور سفارشات پیش کی گئی ہیں جن پر سرکاری حکام، سول سوسائٹی کی تنظیموں اور مزدوروں کی انجمنوں کو عمل درآمد کرنا چاہیے تاکہ غریب کان کنوں کی حالت بہتر ہو۔

نتائج اور سفارشات

بلوچستان اور گلگت بلتستان میں کان کنوں کی مجموعی صورت حال ریاست کے ناقص نظم و نسق، چند حکام کی ہیرا پھیری اور کارکنوں کی تنظیم اور تربیت کی کمی کو ظاہر کرتی ہے۔ آئی ایل او کے باوقار کام کے ایجنڈے کے چاروں اسٹریٹجک ستونوں، جن میں سودمند روزگار، کام سے متعلق حقوق، سماجی تحفظ، اور سماجی مکالمے کو فروغ دینا شامل ہے، پر دونوں خطوں میں سمجھوتا کیا گیا ہے اور ان کا معمولی سا نفاذ کیا گیا ہے۔

بلوچستان اور جی بی میں کان کن نامساعد حالات میں، بغیر باضابطہ حفاظتی اقدامات کے، رہتے اور کام کرتے ہیں، اور وہ مختصر اور طویل مدتی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مزدور کانوں میں غیر محفوظ کام کی وجہ سے ہونے والی طویل مدتی طبی پیچیدگیوں کے بارے میں آگہی نہیں رکھتے۔ حفاظتی اقدامات کے بارے میں ان کے غیر معمولی رویے — تربیت کی کمی اور انتہائی مردانہ بیانیے کے ذریعے پرورش پانے والے — نے انھیں چوٹوں اور عمر بھر کی بیماری کا شکار بنا دیا ہے۔ ٹھیکیداری کے نظام پر کان کنی کے شعبے کے قوانین کے مطابق سختی سے عمل نہیں کیا جاتا، کیونکہ بلوچستان میں مالکان سارا کاروبار نجی ٹھیکیداروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ گلگت-بلتستان میں کان کنی کا کام مقامی کمیونٹی کی زیر ملکیت ہے اور یہی اس کا انتظام کرتی ہے۔ مقامی سیاسی اشرافیہ، ایف ڈبلیو او، ایف سی، اور عدلیہ کے کچھ ارکان ان بااثر ترین فریقین میں شامل ہیں جو کانوں کو لیز پر دینے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں- اور اکثر، کان کی ملکیت میں حصہ دار بن جاتے ہیں۔ ایسے بااثر فریقین کی موجودگی میں غریب کان کنوں کے لیے یونین سازی کرنا اور ناانصافی کے خلاف مؤثر طریقے سے آواز اٹھانا مشکل ہو جاتا ہے۔

دونوں خطوں میں، نجی ٹھیکیدار ایسے غیر رسمی معاہدوں کے ذریعے مزدوروں کو بھرتی کرتے ہیں جن میں اجرت اور اوقات کار مختلف ہوتے ہیں۔ کانوں میں استعمال ہونے والا سامان پرانا ہوتا ہے، اور حفاظتی اقدامات مناسب طور پر اختیار نہیں کیے جاتے چونکہ یہاں ایک بلا روک ٹوک اور بے قاعدہ منافع کا مقصد کارفرما ہوتا ہے۔

کان کنوں کے قرضوں میں جکڑے جانے کی مثالیں عام ہیں، خاص طور پر بلوچستان کے معاملے میں۔ مزدوروں کو بھرتی کرتے وقت روایتی پیشگی ادائیگی کا استعمال کیا جاتا ہے، اور ایک بار جب کان کن اس نظام میں پھنس جائیں تو وہ اس سے کبھی بھی باہر نہیں نکل پاتے۔ کوئلے کی کانوں میں کام کرنے والے بچے اکثر ٹھیکیداروں، ٹرانسپورٹروں اور دیگر کان کنوں کے ہاتھوں جسمانی، جنسی اور نفسیاتی استحصال کا نشانہ بنتے ہیں۔ ان کی عمر اور پہلے سے ہی نازک صحت کی وجہ سے، وہ متعدی اور سانس کی بیماریوں کا زیادہ شکار ہو جاتے ہیں۔

دونوں خطوں میں کان کنوں کی یونینز یا تو غیر موجود یا بہت کمزور ہیں۔ بہت سے معاملات میں، ان یونینوں کی قیادت ٹھیکیدار کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ 'پاکٹ' یونینز کی ایک بہترین مثال کہا جا سکتا ہے۔ مفادات کے ٹکراؤ کی وجہ سے فیڈریشنز کا کردار (جن میں ان یونینز کی رکنیت ہے) غیر تسلی بخش ہے۔ دوسری جانب، فیڈریشنز نے معاوضے کے پیکج کی شرح میں اضافے اور کان کنوں کے لیے صحت اور تعلیم کی سہولیات میں بہتری کا دعویٰ کیا ہے۔

باضابطہ اور غیر رسمی ٹیکسوں اور ایف سی کی بڑی تعداد میں موجودگی میں، بلوچستان میں کان کنوں کی سیکورٹی صورتحال بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مالکان اور ٹھیکیداروں، ایف سی اور کالعدم تنظیموں نے آپس میں گٹھ جوڑ کر رکھا ہے جو ان کارکنوں کو دھمکی دیتے ہیں جو یونین بنانے یا اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ عدلیہ مخصوص قوانین سے آگاہی کی کمی یا مفادات کے ٹکراؤ کی وجہ سے خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینے میں سرگرم نہیں ہے۔

کان کنوں اور ان کے خاندانوں کے لیے فراہم کی جانے والی سہولیات ناقص اور ان کی ضروریات کے لیے ناکافی ہیں۔ اگرچہ مقامی کمیٹیوں کا مقصد کمیونٹیز کو جی بی میں حاصل ہونے والی آمدنی کے ذریعے ترقی کے مواقع فراہم کرنا ہے، لیکن ان کی کارکردگی بھی تسلی بخش نہیں ہے۔

سو سال پرانا مائنز ایکٹ اب بھی کان کنوں کے تحفظ اور حقوق کو یقینی بنانے میں مدد دے سکتا ہے، لیکن کچھ پی ایم ڈی سی کانوں کے علاوہ، اس پر پوری طرح عمل درآمد نہیں کیا جاتا۔ اہلیت، تربیت کی کمی اور بڑھتے ہوئے سیاسی اثر و رسوخ کی وجہ سے مائنز ڈیپارٹمنٹس کے معائنے بھی غیر معیاری اور غیر معتبر ہوتے ہیں۔

قابل اطلاق قوانین پر عمل درآمد نہ ہونے، یونین سازی کی خراب صورت حال اور مزدوروں کے حقوق کے خلاف اشرافیہ کے گٹھ جوڑ نے کان کنوں کو بدحالی سے دوچار کر دیا ہے۔ ان کی آمدنی ناکافی ہے، ملازمتیں غیر یقینی ہیں، وہ متعدد بیماریوں کا شکار ہیں، اور ان کے خاندانوں کو معیاری تعلیم یا صحت کی سہولیات تک رسائی نہیں ہے۔ معائنے کے فقدان اور پرانے آلات کے ساتھ کام کرنے کے باعث صورت حال مزید خراب ہو جاتی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس خطرے سے نمٹنے کے لیے ریاست کی نااہلی اور عدم فعالیت ان کارکنوں کی جلد از جلد بہتری کی کوئی امید فراہم نہیں کرتی۔

سفارشات

- کان کنوں کے تحفظ اور صحت کو یقینی بنانے کے لیے پاکستان کو آئی ایل او کے کنونشن C-176 کی توثیق کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ، مائنز ایکٹ 1923 اور اس سلسلے میں بنائے گئے تمام صوبائی قوانین کے نفاذ کو یقینی بنانے کے لیے ایک پالیسی فریم ورک اور ایکشن پلان جس میں مفادات کے تصادم کی تعریف واضح طور پر بیان کی گئی ہو، بھی ضروری ہے۔
- تربیت یافتہ عملے کی تعداد میں اضافہ کرتے ہوئے کانوں کے محکموں کی استعداد میں اضافہ کیا جائے، خاص طور پر کان کے معائنہ کے شعبے میں۔ معائنہ کے دوروں کی تعداد میں اضافے اور عدالتوں میں خلاف ورزیوں کے مقدمات کی پیروی سے کان کنوں کے خلاف مضر طریقوں کو درست کرنے میں بھی مدد ملے گی۔ مائن انجینئرز کی موجودگی کو یقینی بنایا جانا چاہیے، اور ان کی غیر حاضری پر جرمانہ ہونا چاہیے۔ کانوں میں کام کرنے سے پہلے کان کنوں کو ضروری تربیت بھی دی جانی چاہیے۔
- کان کنوں کی رجسٹریشن اور ان کی ای او بی آئی اور دیگر فلاحی اسکیموں تک رسائی کو یقینی بنایا جائے۔ اسے معائنہ کے دائرے میں لایا جانا چاہئے اور تمام متعلقہ شراکت داروں کو اس کی مکمل پیروی کرنی چاہئے۔ افغان پناہ گزینوں اور ان کانوں میں کام کرنے والے دوسرے ممالک کے شہریوں کا رجسٹر ہونا ضروری ہے، کیونکہ ان کا گروی مزدور بننے اور بغیر کسی اطلاع کے کام سے نکالے جانے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔
- کان کنوں کو بھرتی کرتے وقت حفاظتی اقدامات کے بارے میں آگاہی اور تربیت کا ہونا ضروری ہے۔ یہ ذمہ داری مائنز ڈیپارٹمنٹ پر عائد ہوتی ہے، اور اس کی تعمیل کا نفاذ اور اس کی باقاعدگی سے نگرانی کی جانی چاہیے۔ یونینوں اور فیڈریشنوں کو یقینی بنانا چاہیے کہ تربیت کا وقتاً فوقتاً انعقاد کیا جائے اور تمام مزدور اس میں شریک ہوں۔ مزدوروں کے حقوق پر کام کرنے والی سول سوسائٹی کی تنظیموں کو بھی چاہیے کہ وہ تربیت اور آگاہی کی نشستوں کا اہتمام کریں اور کان کنوں سے براہ راست رابطہ کریں۔
- بچوں کی مشقت قومی اور بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے۔ کانوں میں بچوں کی مشقت انتہائی خطرناک ہے اور اسے ختم کیا جانا چاہیے۔ ایسی سرگرمیوں میں ملوث کان کے مالکان پر جرمانے عائد کیے جائیں۔
- بروقت عدالتی فیصلوں اور کان کنوں کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے مسلسل ایڈووکیسی کی ضرورت ہے۔ سول سوسائٹی کی تنظیموں کے ساتھ ساتھ ٹریڈ یونینز اور فیڈریشنز کو بھی اس سلسلے میں اہم کردار ادا کرنا چاہیے۔

صحت کا حق
ایک عوامی منشور

صحت کی فراہمی ایک نا قابلِ تنسیخ انسانی حق ہے، جسے عالمی سطح پر ایک بنیادی حق کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ تاہم، پاکستان میں صحت کی دیکھ بھال تاریخی طور پر معاشی، سیاسی، مذہبی اور ثقافتی عوامل کی وجہ سے مشروط اور محدود رہی ہے۔ اس پس منظر میں، دفاعی اخراجات کے لیے پاکستان کے بجٹ کی غیر متناسب تخصیص صحت کی دیکھ بھال سمیت ضروری سماجی خدمات کی مسلسل پسماندگی کی نشاندہی کرتی ہے۔

یہ مسئلہ اس طرح سے سنگین ہو جاتا ہے کہ پاکستان کا آئین اب بھی صحت کو بنیادی حق کے طور پر تسلیم نہیں کرتا۔ اس کی بجائے، صحت کا ذکر صرف آرٹیکل 38 (پالیسی کے اصول) میں کیا گیا ہے اور یوں اس کا بنیادی حقوق کی طرح نفاذ نہیں کیا جا سکتا۔ آئینی اسکیم میں موجود اس کمی کو دور کرنے کے لیے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے 2023 میں ایک بحث شروع کی اور ایک پالیسی بریف تیار کیا جس میں صحت کو بنیادی حق کے طور پر تسلیم کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ صحت کو ایک علیحدہ آئینی حق سمجھنے کی دلیل واضح تشریح، موثر نفاذ، علامتی اہمیت اور بہتر تاثیر کے اصولوں پر مبنی ہے۔

نظام میں پائی جانے والی عدم مساوات پاکستان کے نگہداشت صحت کے بحران کی بنیادی وجہ ہے جو خاص طور پر پسماندہ اور کمزور طبقے کو متاثر کرتی ہے۔ ان چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے جامع اصلاحات کی ضرورت ہے، جن میں:

- نا کافی بنیادی ڈھانچہ اور خاص طور پر دیہی اور دور دراز علاقوں میں نگہداشت صحت تک محدود رسائی شامل ہے۔ نگہداشت صحت کے تربیت یافتہ پیشہ ور افراد اور ضروری طبی سامان کی کمی بروقت اور مؤثر نگہداشت صحت کی فراہمی میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے، جس کے نتیجے میں موجودہ سہولیات پر بوجھ پڑتا ہے، جو اکثر زیادہ بھیڑ اور غیر معیاری نگہداشت صحت بنتا ہے۔ یوں نظام صحت کو درپیش چیلنج جوں کے توں برقرار رہتے ہیں۔
- نا کافی صحت کی تعلیم اور آگاہی کے علاوہ حفاظتی ٹیکوں تک محدود رسائی پولیو، تپ دق اور ہیپاٹائٹس جیسی قابل روک تھام اور متعدی بیماریوں کے پھیلاؤ کا باعث بنتی ہے۔ اس سے نگہداشت صحت کے نظام پر بوجھ پڑتا ہے اور متعدد زندگیاں خطرے میں پڑ جاتی ہیں۔
- ماں اور نوزائیدہ بچوں کی اموات کی شرح تشویشناک حد تک زیادہ ہے۔ زچہ و بچہ دیکھ بھال، پیدائش کے دورانہ ماہرانہ دیکھ بھال اور قبل از پیدائش اور بعد از پیدائش کی معیاری خدمات تک رسائی میں خلاء موجود ہے۔ اسی طرح، نوزائیدہ بچوں کی اموات کی بلند شرح نوزائیدہ بچوں کی بہتر نگہداشت اور بچوں کے لیے جامع نگہداشت صحت کی ضرورت کو اجاگر کرتی ہے۔
- دماغی صحت کے مسائل جیسے کہ ڈپریشن، اضطراب اور تناؤ سے متعلق عوارض عام ہیں اور یہ معاشرتی کلنک اور دماغی صحت کی مناسب خدمات کی کمی کی وجہ سے مزید بڑھ جاتے ہیں۔

اس پس منظر میں، ایچ آر سی پی کا ماننا ہے کہ اب یہ ریاست کے ساتھ ساتھ صحت کے شعبے کے حکام کی ذمہ داری ہے کہ وہ پاکستان میں لوگوں کی ضروریات اور مطالبات کو عملی جامہ پہنائیں۔

اس لیے ایچ آر سی پی نے پاکستان میں مقیم بہت سے شراکت داروں، گروپوں اور تحریکوں کے ساتھ بات چیت کے بعد صحت کے حق پر ایک 'عوامی منشور' پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان مباحثوں کا اہتمام صوبائی اور علاقائی سطح پر کیا گیا تھا، اور اس میں خواتین، خواجہ سراؤں، گھریلو ملازمین، صحت کی دیکھ بھال پر مامور پیشہ ور افراد، بچوں کے حقوق کے کارکنان، نوجوان، طلباء اور ماہرین تعلیم، لیڈی ہیلتھ ورکرز، اور مختلف غیر رسمی کارکنان شامل تھے۔ ایچ آر سی پی زویا رحمان کی کوششوں کے لیے ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے جنھوں نے اس منشور کی تحقیق اور تیاری، جو صحت کے حق سے متعلق ایچ آر سی پی کی مہم کا ایک حصہ ہے، میں اپنا کردار ادا کیا۔

بنیادی مطالبات

ایچ آر سی پی عوام سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس منشور کے بنیادی مطالبات کی توثیق کریں۔

1۔ صحت کے حق کو ایک بنیادی آئینی حق کے طور پر تسلیم کیا جائے جو ہر کسی کو نسل، لسانیت، مذہب، جنس، صنفی شناخت، عمر، قابلیت، جنسی رجحان یا طبقے کی بنیاد پر امتیاز کے بغیر دیا گیا ہے۔

2۔ صحت کو مجموعی طور پر جسمانی، ذہنی اور سماجی بہبود کے طور پر بیان کیا جائے نہ کہ صرف بیماری اور کمزوری کی عدم موجودگی کے طور پر۔ یہ عالمی ادارہ صحت کے معیارات کے مطابق ہے۔

3۔ مقامی، صوبائی اور قومی پالیسی سازی میں نگہداشت صحت کو سیاسی، اقتصادی، سماجی اور ماحولیاتی تغیرات کے تابع چھوڑنے کے بجائے اسے ترجیح دی جائے۔ یہ خاص طور پر ماں اور بچے کی صحت، دماغی صحت اور بیماریوں سے بچاؤ کے لیے بہت ضروری ہے۔

4۔ نگہداشت صحت کو سب کے لیے آزادانہ طور پر قابل رسائی، یا کم از کم سستی بنائیں۔ معیاری نگہداشت صحت تک عالمگیر رسائی کو لوگوں کی ضروریات کے مطابق یقینی بنایا جائے، نہ کہ ان کی ادائیگی کی صلاحیت کے مطابق۔ نگہداشت صحت کمزور گروہوں اور ملک کے دور دراز علاقوں کے لوگوں کے لیے بھی قابل رسائی ہونی چاہیے۔

5۔ بجٹ کا کم از کم 10 فیصد نگہداشت صحت کے لیے مختص کیا جائے، خاص طور پر صوبائی بجٹ میں۔ نگہداشت صحت پر مامور افراد اور نگہداشت صحت کے بنیادی ڈھانچے کی استعداد میں اضافہ کیا جائے۔

6۔ انسدادی اقدامات کو فروغ دیا جائے، غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے، اور تعلیم اور بڑے پیمانے پر آگاہی مہم کے ذریعے فلاح و بہبود کے کلچر کو فروغ دیا جائے۔

ثانوی مطالبات

اس منشور کے ثانوی مطالبات میں صحت کی دیکھ بھال کے لیے ایک جامع نقطہ نظر اختیار کرنا شامل ہے جس میں سماجی و اقتصادی، صنفی، پیشہ ورانہ اور ماحولیاتی خدشات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

طبقہ اور صحت

سماجی و اقتصادی تفاوت کا نتیجہ نگہداشت صحت تک امتیازی رسائی کی صورت میں نکلتا ہے۔ شہری مراکز میں نگہداشت صحت کی سہولیات اور وسائل کا ارتکاز غیر متناسب طور پر زیادہ آمدنی والی شہری آبادی کے حق میں ہے۔ اس سے دیہی اور دور دراز کے علاقے محروم رہ جاتے ہیں، کم مراعات یافتہ طبقے کے لیے نگہداشت صحت کے ذرائع محدود ہو جاتے ہیں، اور یہ زیادہ ہجوم، وسائل کی کمی، اور غیر معیاری نگہداشت صحت کی فراہمی کا باعث بنتا ہے۔ طبقاتی عدم مساوات کے نتیجے میں نگہداشت صحت کے معیار میں بھی تفاوت پیدا ہوتا ہے۔ کم آمدنی والے افراد کو طویل انتظار کے اوقات، کم دورانیے کی مشاورت اور

نگہداشت صحت سے وابستہ پیشہ ور افراد کی جانب سے ناکافی توجہ کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ بیمہ صحت کی کوریج کی کمی اس مسئلے کو مزید بڑھا دیتی ہے۔ پسماندہ آبادیوں میں خواندگی کی کم شرح اور صحت کے بارے میں آگاہی اور احتیاطی تدابیر کی کمی ان کی نگہداشت صحت سے متعلق باخبر فیصلے کرنے اور مناسب علاج کے حصول کی صلاحیت میں رکاوٹ ہے۔ سماجی و معاشی عدم مساوات بھی مناسب غذائیت تک رسائی کی کمی کو مزید بڑھا دیتی ہے، جس کے نتیجے میں کم آمدنی والے گروہوں میں غذائیت کی شرح اور متعلقہ صحت کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

ریاست کو قابل رسائی نگہداشت صحت اور مناسب کوریج کی حامل سستی طبی خدمات نیز تربیت یافتہ طبی پیشہ ور افراد کا انتظام کرنا چاہئے۔ اسے سماجی و معاشی رکاوٹوں کو ختم کرنا چاہیے جو لوگوں کی صحت کے حق سے مستفید ہونے کی صلاحیت کو متاثر کرتی ہیں۔ اچھے معیار کی ادویات بھی قابل رسائی ہونی چاہئیں نیز ادویات کے نرخ بھی منصفانہ بنیادوں پر طے کیے جانے چاہئیں۔

صنف اور صحت

صنف اور صحت معیاری نگہداشت صحت تک رسائی کے دوران خواتین اور مخنث افراد کو دیگر بنیادی تفاوتوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ تفاوت وسیع تر صنفی عدم مساوات اور نظام میں پائی جانے والی ان رکاوٹوں کا عکاس ہے جو صحت کے غیر مساوی نتائج کو برقرار رکھتی ہیں۔ مثال کے طور پر، زچہ و بچہ کی صحت پاکستان میں، جہاں دوران زچگی شرح اموات زیادہ ہے، ایک اہم تشویش کا باعث بنی ہوئی ہے جس کی وجہ قبل از پیدائش اور بعد از پیدائش کی معیاری دیکھ بھال اور خاندانی منصوبہ بندی کی خدمات تک ناکافی رسائی ہے۔

پدرانہ روایات آگہی کی کمی کو برقرار رکھتی ہیں اور خواتین کی فیصلہ سازی کی صلاحیتوں کو محدود کرتی ہیں۔ محفوظ اور قانونی اسقاط حمل تک محدود رسائی کے علاوہ خواتین کے تولیدی حقوق پر بھی اکثر سمجھوتہ کیا جاتا ہے، جس سے ان کی صحت اور زندگیاں خطرے میں پڑ جاتی ہیں۔ صنفی بنیاد پر تشدد ان چیلنجوں کو مزید پیچیدہ بناتا ہے، جس سے جسمانی اور ذہنی صحت دونوں متاثر ہوتی ہیں۔ مزدور خواتین، خاص طور پر غیر رسمی شعبے سے وابستہ خواتین اکثر نگہداشت صحت کے فوائد تک رسائی، بیماری کی چھٹیوں اور کام کرنے کے محفوظ ماحول سے محروم رہتی ہیں۔ آخر میں، یہ بات قابل غور ہے کہ خواجہ سراؤں کو پاکستان میں نگہداشت صحت کی خدمات تک رسائی میں زیادہ امتیازی سلوک اور چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جو بعض اوقات موت کا باعث بنتے ہیں۔

ریاست کو خواتین اور مخنث افراد کو بااختیار بنانے کے لیے جامع جنسی تعلیم کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ خاندانی منصوبہ بندی کی خدمات، محفوظ اسقاط حمل کی خدمات اور تولیدی صحت کی تعلیم تک رسائی بہت ضروری ہے۔ نگہداشت صحت کی سہولیات کو جنس کی تصدیق اور صنف کے لحاظ سے حساس نگہداشت بھی فراہم کرنی چاہیے، اور نگہداشت صحت فراہم کرنے والوں کو صنف کے لحاظ سے صحت کی ضروریات کو پورا کرنے اور خفیہ اور غیر فیصلہ کن خدمات پیش کرنے کے لیے تربیت دینی چاہیے۔ صنفی بنیاد پر تشدد کی روک تھام اور معاون خدمات بھی ان تفاوتوں کو دور کرنے کے لیے لازمی ہیں۔ آخر میں، ریاست کو صنفی مساوات اور شمولیت کے کلچر کو فروغ دینا چاہئے۔

پیشہ ورانہ تحفظ اور صحت

پیشہ ورانہ بیماریاں اور حادثات خطرناک حالات کا سامنا کرنے والے کارکنوں کو درپیش خطرات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ زراعت، تعمیرات، کان کنی اور مینوفیکچرنگ کے شعبے خاص طور پر پیشہ ورانہ خطرات سے دوچار ہیں، جس کی وجہ مناسب آلات کی کمی، ناکافی تربیت، اور حفاظتی اقدامات کی عدم موجودگی ہے۔ غیر رسمی مزدوروں، بشمول گھر پر کام کرنے والے مزدوروں اور اینٹوں کے بھٹے پر کام کرنے والے مزدوروں کو اس سے بھی بڑے چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کیونکہ ان کے کام کے حالات کم باقاعدہ ہوتے ہیں اور حفاظتی اقدامات کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ لیڈی ہیلتھ ورکرز کو خاص طور پر ایسے کئی چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو نگہداشت صحت کی مؤثر خدمات فراہم کرنے کی ان کی صلاحیت پر اثر انداز ہوتے ہیں، جیسے کہ ناکافی معاوضہ اور فوائد، صحت کی دیکھ بھال کرنے والے حکام اور کمیونٹیز کی جانب سے قدر شناسی اور احترام کی کمی، کام کا بہت زیادہ بوجھ، ناکافی تربیت، رسد کی کمی، غلط اعداد و شمار کا اندراج، جنسی ہراسانی اور مشکل حالات میں سلامتی سے متعلق خدشات۔

ریاست کو موجودہ لیبر قوانین کے نفاذ کے ذریعے پاکستان میں پیشہ ورانہ صحت اور تحفظ کو بہتر بنانے کا عہد کرنا چاہیے۔ مزدوروں کو درپیش ممکنہ خطرات کے بارے میں آگاہ کرنے اور ان خطرات کو کم کرنے کے لیے جامع تربیتی پروگرام تشکیل دیے جائیں۔ باقاعدہ طبی معائنے اور نگہداشت صحت کی خدمات تک رسائی کو یقینی بنایا جائے۔ انضباطی فریم ورک اور نفاذ کے طریقہ کار کو مضبوط بنانا سب سے اہم ہے۔ یہ یقینی بنانا بھی ضروری ہے کہ آجروں کو کام کے محفوظ حالات کی فراہمی کے حوالے جوابدہ ٹھہرایا جائے۔ ریاست کو لیڈی ہیلتھ ورکرز کی بھرتی، انہیں ملازمت پر برقرار رکھنے اور ان کے تحفظ کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

ماحول اور صحت

موسمیاتی تبدیلیوں کے اثرات بشمول بڑھتا ہوا درجہ حرارت، بارش کے بدلتے ہوئے انداز، اور شدید موسمی حالات و واقعات صحت عامہ، خاص طور پر کمزور آبادیوں جیسے کہ بوڑھوں، بچوں اور پہلے سے صحت کے مسائل میں مبتلا افراد پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ موسمیاتی تبدیلی بھی ویکٹر سے پیدا ہونے والی بیماریوں جیسے کہ ملیریا اور ڈینگی، اور پانی سے پیدا ہونے والی بیماریوں کے پھیلاؤ میں بھی اضافہ کرتی ہے، جس سے پوری کمیونٹیز خطرے میں پڑ جاتی ہیں۔

اس مسئلے کے حل کے لیے بہتر نگرانی، جلد تشخیص، حفظان صحت کے طریقوں کے فروغ، ویکسینیشن پروگراموں اور بیماریوں کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے پینے کے صاف اور محفوظ پانی تک رسائی کی ضرورت ہے۔ مزید برآں، بڑھتی ہوئی صنعتی سرگرمیوں اور گاڑیوں میں سے دھویں کے اخراج کے نتیجے میں پیدا ہونے والی فضائی آلودگی نظام تنفس میں بگاڑ پیدا کرتی ہے اور قبل از وقت اموات کا باعث بنتی ہے۔ ریاست کو ماحولیات سے متعلق صحت کے خطرات کے بارے میں عوامی آگہی کو فروغ دینا چاہیے، اور ایسی پالیسیاں نافذ کرنی چاہئیں جو موسمیاتی تبدیلی کے اثرات کو کم کریں اور ماحولیاتی پائیداری کو فروغ دیں۔ اسے مفاد عامہ اور کمیونٹی پر مبنی معیارات تشکیل چاہئیں اور ماحولیاتی انحطاط اور صحت عامہ کی حالت کی جانچ کے لیے باقاعدہ آڈٹ کرانے چاہئیں۔ اسے یقینی بنانا چاہیے کہ زہریلی گیسوں اور مادوں کے اخراج کو روکا جائے اور ہر ترقیاتی منصوبے کا پہلے سے طے شدہ صحت عامہ اور ماحولیاتی تحفظ کے معیارات کے مطابق جائزہ لیا جائے۔ ہمارے نگہداشت صحت کے نظام کو موسمیاتی آفات کے دوران کثیر تعداد میں مریضوں کی آمد کو سنبھالنے، متاثرہ آبادیوں کو بروقت طبی دیکھ بھال اور ذہنی صحت سے متعلق معاونت فراہم کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

ماحصل

ایچ آر سی پی کا ماننا ہے کہ مضبوط عوامی تنظیمیں اور تحریکیں زیادہ جمہوری، شفاف اور جوابدہ فیصلہ سازی کے عمل کے لیے ضروری ہیں، جو بدلے میں لوگوں کے شہری، سیاسی، معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق کو یقینی بناتی ہیں۔ اگرچہ ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ صحت اور انسانی حقوق کے حوالے سے زیادہ منصفانہ نقطہ نظر کو فروغ دے، لیکن پالیسی کی تشکیل میں لوگوں کے بہترین مفادات کی نمائندگی کو یقینی بنانے اور ایسی پالیسیوں کے نفاذ کی نگرانی میں سول سوسائٹی کے گروپوں، تحریکوں اور میڈیا کا بہت اہم کردار ہے۔ ایچ آر سی پی شہری شرکت اور ایڈووکیسی، کمیونٹی کی صحت کے اقدامات کو بااختیار بنانے، مریضوں کے حقوق اور ایڈووکیسی کے گروپوں کو مضبوط بنانے، اور نگہداشت صحت کے بارے میں فیصلہ سازی میں اجتماعی شرکت کے فروغ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ہم ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں کہ وہ صحت کے حق سے متعلق اس عوامی منشور کی توثیق کریں، جو لابنگ اور ایڈووکیسی کی ایک وسیع مہم کی جانب پہلا قدم ہے۔

گلگت بلتستان فورتھ شیڈول کی زد میں

ایڈووکیٹ اشفاق احمد

شیڈول فورتھ انسداد دہشتگردی ایکٹ کی ایک دفعہ ہے جس کا اطلاق ایسے افراد پر کیا جاتا ہے جو کسی کالعدم تنظیم کے ممبر ہوں، دہشتگردی کے کسی اقدام میں ملوث ہوں، فرقہ وارانہ سرگرمیوں میں ملوث ہوں، یا ریاست کی سالمیت کے خلاف سرگرمیوں میں ملوث ہوں۔

ایسے افراد کو حکومت انسداد دہشت گردی ایکٹ کے فورتھ شیڈول کی لسٹ میں ڈال کر ان کی نگرانی کرتی ہے، ان کے بنک اکاؤنٹس منجمد کئے جاتے ہیں اور ان کی نقل وحرکت کو محدود کیا جاتا ہے تاکہ ان کو منفی سرگرمیوں سے باز رکھا جائے۔

اس قانون کے اطلاق کے بعد انہیں عوامی جلسے جلوس، عوامی اجتماعات میں شرکت کرنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے اور بنا اجازت کے وہ ایک شہر سے دوسرے شہر سفر بھی نہیں کر سکتے ہیں نہ ہی انہیں عوامی اجتماعات میں شرکت کرنے، بولنے یا تقریر کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس لئے عام طور پر اس قانون کو زبان بندی کا قانون بھی کہا جاتا ہے۔

ویسے تو اس قانون کے اطلاق کا بنیادی مقصد دہشتگردوں کی نقل حرکت اور ان کی ریاست مخالفت اور دنیا کے دیگر ممالک میں دہشتگردی میں ملوث افراد کو روکنے کے علاوہ ملکی اور عالمی سطح پر دہشتگردوں کو مالی معاونت فراہم کرنے سے بھی روکنا تھا۔ یہ قانون پاکستان میں انسداد دہشتگردی ایکٹ 1997 کے تحت نافذ العمل ہے۔ قانونی نقطہ نظر سے اس قانون پر ایک بنیادی تنقید یہ کی جاتی ہے کہ اس خصوصی قانون کی اس دفعہ کے ذریعے عام طور پر سیاسی مخالفین اور اختلافی رائے کو دبانے کے لیے حکومت وقت استعمال کرتی ہے۔ اس کی وجہ سے شہریوں کے بنیادی انسانی حقوق متاثر ہوتے ہیں جن کی ضمانت آئین پاکستان کے آرٹیکل 15، 16، 17 اور آرٹیکل 19 میں دی گئی ہے۔ لہذا پرامن سیاسی کارکنوں کی بجائے فورتھ شیڈول کے اس قانون کا اطلاق صرف دہشتگردوں پر ہونا چاہئے تاکہ معاشرے میں رول اف لا ممکن ہو سکے۔

گلگت بلتستان میں چند سال قبل اس قانون کا اطلاق کیا گیا تھا جس پر عوام نے سخت احتجاج کیا چونکہ گلگت بلتستان ائین پاکستان کا حصہ نہیں بلکہ آئین پاکستان کے آرٹیکل 257 کے تحت ریاست جموں وکشمیر کا حصہ قرار دیا گیا ہے اور انسداد دہشتگردی ایکٹ پاکستان کے زیر انتظام آزاد کشمیر میں نافذ نہیں ہے۔ اور گلگت بلتستان میں بنیادی انسانی حقوق کو تحفظ دینے کے لئے آزاد جموں وکشمیر کی طرح آئین بھی نہیں دیا گیا ہے، بلکہ صدارتی حکم نامے 2018 کے تحت نظام کو چلایا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ سے علاقے کے لوگوں کو جمہوری، سیاسی، ومعاشی حقوق کا آئینی تحفظ حاصل نہیں ہے۔ اس طرح کے حالات میں عدلیہ بھی اتنی موثر نہیں ہوسکتی ہے جس کا قیام ایک صدارتی حکم نامے کے تحت عمل میں لایا گیا ہو۔

چنانچہ ایسی صورت حال میں گلگت بلتستان میں شیڈول فور کا اطلاق دہشتگردوں کے بجائے سیاسی کارکنوں پر ہونا قابل افسوس اور تشویشناک ہے۔ حالیہ دنوں میں گلگت بلتستان کے مقامی اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کے مطابق حکومت گلگت بلتستان نے 36 افراد کو شیڈول 4 میں ڈالا ہے جن میں گلگت بلتستان کے چند مشہور سیاسی کارکن، مثلاً شبیر مایار، وزیر حسنین، منظور پروانہ، حسنین رمل اور یاور عباس وغیرہ کے علاوہ کچھ مشہور علماء کرام کے نام بھی سرفہرست ہیں جن میں گلگت بلتستان کی ایک توانا آواز آغا علی اور چند ماہ قبل تک گلگت بلتستان اسمبلی کے وزیر تعلیم غلام شہزاد آغا کا نام بھی سرفہرست تھا۔ گلگت بلتستان میں اس قانون کا اطلاق قوم پرست جماعتوں کے ممبران پر لاگو کیا جاتا ہے جن پر سرکاری بیانیہ میں sub Nationalism کو فروغ دینے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ دوسری طرف اس اصطلاح کے خلاف ردعمل دیتے ہوئے گلگت بلتستان اسمبلی کے ممبر اور مشہور قوم پرست لیڈر نواز خان ناجی نے کہا ہے کہ گلگت بلتستان کے لئے یہ اصطلاح استعمال کرنا درست نہیں چونکہ یہ خطہ اپنی ایک منفرد قانونی شناخت اور قومی حیثیت کا حامل ہے۔ اس وقت پورے گلگت بلتستان میں گزشتہ سترہ دنوں سے گندم سبسڈی کے خاتمے کے خلاف عوام سڑکوں پر نکل کر احتجاج کر رہے ہیں لیکن حکومت اس مسئلے کو حل کرنے کی بجائے سیاسی کارکنوں پر شیڈول فور کا اطلاق کر رہی ہے۔

عوامی ایکشن کمیٹی کے چیف کوآڈینیٹر احسان علی ایڈوکیٹ کے بقول یہ عوامی احتجاج گلگت بلتستان میں گندم سبسڈی سمیت عوام کے غصب شدہ تمام بنیادی حقوق کے لئے ہے، جن میں اہم ترین مطالبات مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ فنانس ایکٹ 2023 اور نام نہاد ٹیکسوں کا خاتمہ۔

2۔ عوامی اراضیات پہ خالصہ سرکار قانون کے نام پر قبضے کا خاتمہ۔

3۔ معدنیات کی بیرونی کمپنیوں کو بندر بانٹ کا خاتمہ۔

4۔ چائنہ پاکستان اکنامک کوریڈور میں تیسرے فریق کے حقوق۔

5۔ دیامر بھاشا ڈیم میں 80 فیصد اور داسو ڈیم میں 50 فیصد رائلٹی۔

6۔ گلگت بلتستان کی ملازمتوں میں وفاقی حکومت کے کوٹے کا مکمل خاتمہ۔

7۔ جی بی سے حاصل ہونے والی ڈائریکٹ اینڈ انڈائریکٹ ٹیکسوں کی آمدنی کا حساب۔

7۔ این ایف سی ایوارڈ میں گلگت بلتستان کا حصہ۔

9۔ گلگت بلتستان میں بجلی کی شدید ترین لوڈ شیڈنگ کے خاتمے کیلئے ہنگامی بنیادوں پہ دریائے سندھ اور دریائے گلگت پہ چھوٹے ڈیموں کی فوری تعمیر۔

10۔ گلگت بلتستان میں آزاد خود مختار آئینی عدالتی نظام کا قیام۔

11۔ گلگت بلتستان گورننس آرڈر 2018 جیسے کالونیل نظام کی جگہ جی بی کے منتخب نمائندوں کے ذریعے ایک عبوری آئین کی تشکیل اور اس آئین کے ذریعے عوام کے بنیادی حقوق کا تحفظ۔

12۔ ایک بااختیار آئینی نظام حکومت کا قیام۔

13۔ قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی اور بلتستان یونیورسٹی میں طلباء فیسوں کا مکمل خاتمہ اور دیگر بنیادی مطالبات کے گرد عوامی تحریک کو منظم ومتحرک کیا جائے گا۔

ایسی صورت حال میں گلگت بلتستان کے سیاسی کارکنوں پر شیڈول فور کا اطلاق کرنا حکومت کی بوکھلاہٹ کا ثبوت ہے۔

گلگت بلتستان میں شیڈول فور کا اطلاق دہشتگردوں پر ہونا چاہئے نہ کہ سیاسی کارکنوں پر، کیونکہ سیاسی کارکن پرامن جدوجہد کرتے ہیں یہ ان کا بنیادی انسانی حق ہے کہ وہ پرامن جدوجہد کریں تاکہ گلگت بلتستان کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں جو پاکستان کے دیگر شہریوں اور پاکستان کے زیر انتظام آزاد کشمیر کے لوگوں کو حاصل ہیں۔ شیڈول فور کے شکار سیاسی کارکنوں کا کہنا ہے کہ حالیہ دنوں میں سیاسی کارکنوں کو شیڈول فور میں ڈالنے کا واحد مقصد ان کو گندم سبسڈی تحریک میں حصہ لینے سے روکنا ہے تاکہ وہ گلگت بلتستان کی توانا آواز بن کر عوام کی رہنمائی نہ کر سکیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حکومت دہشت گردوں کو پکڑنے میں ناکام ہے۔ اور ان دہشتگردوں کو شیڈول فور میں کیوں نہیں ڈالتی؟ جو جدید ہتھیاروں سے لیس ہو کر شوشل میڈیا میں آکر ویڈیو پیغام جاری کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر 2 دسمبر 2023 تاریخ کو غذر سے پنڈی جانے والی ایک مسافر بس پر دیامر ہڈور کے مقام پر دہشتگردوں نے بس پر مہلک ہتھیاروں حملہ کیا اور 14 بے گناہ افراد کا سرعام قتل کیا اور 40 کے قریب افراد کو زخمی کیا اور آسانی سے فرار ہوگئے۔ تاحال حکومت انہیں گرفتار نہیں کر سکی۔ نہ صرف یہ بلکہ حکومت نے ان کے ساتھ مذاکرات کئے ہیں۔ حالانکہ قانون کے مطابق دہشتگردوں کے ساتھ مذاکرات کرنا غیر قانونی ہے۔ اس عمل پر ردعمل دیتے ہوئے گلگت بلتستان کے اپوزیشن لیڈر اور کچھ مذہبی جید علما نے اس عمل کو ایسے عناصر کی پشت پناہی کرنے کے مترادف قرار دیا ہے اور سخت تشویش کا اظہار کیا ہے۔

گلگت بلتستان کے دانشور عزیز علی داد نے حکومت کے اس اقدام پر ردعمل دیتے ہوئے گلگت بلتستان کو زومبیوں کا علاقہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ " آئین تو نافذ نہیں کر سکے مگر شیڈول فور جیسے گھناونے قانون کو گلگت بلتستان کے مختلف علاقوں میں لاگو کرنے میں ان کی پھرتی تو دیکھئے۔ بہتر ہے بصری بیریئر (جہاں سے گلگت بلتستان کی حدود شروع ہوتی ہیں) سے اوپر کی طرف سارے گلگت بلتستان کو شیڈول فور زون میں شامل کیا جائے کیونکہ شہری کے تصور کو یہاں تاراج کر کے اس علاقے کو زونبی زون بنا دیا گیا ہے''۔

لہذا اس طرح کی پالیسی اور دہرے معیار اپنانے سے گلگت بلتستان جیسے اہم سٹریٹجک علاقے میں بسنے والے باشندوں کے بنیادی انسانی حقوق پامال ہونے کے ساتھ ساتھ اس خطے کا امن وامان بھی متاثر ہو سکتا ہے اور دہشتگردی کے مزید واقعات رونما ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا شڈول فور کا اطلاق دہشتگردوں پر کیا جائے نہ کہ سیاسی کارکنوں پر تاکہ گلگت بلتستان میں قانون کی حکمرانی کا قیام ممکن ہو سکے۔

(بشکریہ پامیر ٹائمز)

قلم آزاد

ترتیب وادارت: ادریس بابر

عشرہ انتخاب

یہ صرف صبح نہ ہو، صبح ایسی شام کی ہو
جو فتح عدل کی ہو، حق کی ہو، عوام کی ہو
ثمر ہو صبر کا اور جبر کا ازالہ بنے
یہ شام ایک نئے دور کا حوالہ بنے
شجر پہ آرے چلاتوں کے ہاتھ کٹ جائیں
اوران کے شجرے سبھی ان کے ساتھ کٹ جائیں
خدا کو، خلق-خدا کو فریب دینے والے
وہی، غریبوں کو ٹھکرا کے ووٹ لینے والے
ہمیشہ دھاندلی کر کے جو لووگ جیتے ہیں
وہ آج خوب سمجھ لیں کہ لوگ جیتے ہیں

ادریس بابر

#Elections2024

عشرہ//راہنما

کوئی بھی ہو، یہ بات مگر سوچتا تو ہے
اس کے اکیلے ہونے کی کوئی وجہ تو ہے
ممکن تو ہے کہ وہ ہی براہیم-دور ہو
آزر کی آنکھ میں کوئی تنکا چھبا تو ہے
نیت کا کھوٹ کون فراست سے بھر سکا
دانا نہیں ہے راست گو اور سر پھرا تو ہے
معیار-آدمی جو بتایا گیا، سو وہ
جیتا ہوا ضرور ہے، لڑتا ہوا تو ہے
فیاض خالی جیب یہ اظہار-برملا۔۔۔
دل میں تمنا نیک ہے، لب پر دعا تو ہے

فیاض بوستان

ع//قومی یکجہتی

سر خاک پر دھرا ہے اور ہاتھوں میں کچھ نہیں
سب خالی باتیں کرتے ہیں، باتوں میں کچھ نہیں
آئین حق سے دور ہے، مذہب فروش ہے
دیں طاق پر دھرا ہوا، آنکھوں میں خون ہے
چنگھاڑتی سپیکروں سے دو ٹوک فیصلے
وہ بات جس کا سر ہے نہ پاؤں، بلند ہے
کھا جائیں گے بنامِ وطن زر خرید لوگ
عزت بھی، آرزو بھی، یقین، اعتماد بھی
اس درجہ پاگلوں میں بھلا کیا کوئی کہے
یہ قوم فرد فرد ہے، قانون سرد ہے!

زاہد خان

ع//ملامت

بی بی سی پر تو گوروں کی سنتے رہے
ہم خزانے کے سانپوں کو چنتے رہے
ظلم کے ماتھے پر، ہم نے بوسے دیے
ڈھول کی تھاپ پر قومی نغمے پڑھے
فوجیوں کی حمایت میں سر خم کیے
ہم فلسطین کے ہیں نہ ہم چین کے
ہم بلوچوں کے خوں میں نہائے ہوئے
یہ وطن ایک پکی سڑک ہے جہاں
گمشدہ جوتیوں کے نشاں تک نہیں
ہم کو اپنے گھروں میں اماں تک نہیں

سیف علی

وزیر-شہر بولا بادشہ سے
بڑا سنگین مجرم ہے یہ، آقا!
اسے مصلوب ہی کرنا پڑے گا
کہ اس کی سوچ ہم سے مختلف ہے

مقبول عامر (مرحوم)

دانش رضا

عشرہ//زمیں زاد

نظام شمس میں فقط زمین ہی ذہین ہے
یہ گمشدہ روایتوں کی آخری امین ہے
یہ رات دن کی گردشوں میں محو ہے، مشین ہے
ڈری ہوئی ہے مشتری کی ہوشیاری باشی سے
کہ عام آدمی کی زندگی کا رخ نہ موڑ دے
نظام-آدمی کہیں نہ توڑ دے، مروڑ دے
رئیس شہر سے ملے ہوئے غریب شخص، ڈر!
سمیٹ کر نجانے کب وہ مال و زر کو، دوڑ لے
عجب نہیں کہ وہ تمہارا خون تک نچوڑ لے
زمین پر سہی، یہ آدمی تو بے زمین ہے

محمد دانش رضا

امن وامان کی مخدوش صورت حال

نوشہروفیروز نوشہروفیروز آل سندھ اریگیشن ٹریڈ یونین فیڈریشن سندھ کے جنرل سیکرٹری اقبال احمد لاڑک دوران ڈکیتی مسلح افراد کی فائرنگ میں قتل ہوگئے ہیں۔ نوشہروفیروز ضلع میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں چوبیس گھنٹوں میں دوافراد قتل ہوچکے ہیں۔تفصیلات کے مطابق، نوشہروفیروز میں آل سندھ اریگیشن ٹریڈ یونین فیڈریشن سندھ کے جنرل سیکرٹری اقبال احمد لاڑک اپنے بیٹے آصف لاڑک اور بھتیجے عبدالغفار لاڑک کے ہمراہ مقامی بنک سے رقم نکلوا کر باہر نکلے تو اسکارپ کالونی کے قریب ایک موٹرسائیکل پر سوار دو مسلح افراد نے انہیں روک کر یرغمال بنالیا اور رقم چھیننے کی کوشش کی۔مزاحمت پر ڈاکوؤں نے فائرنگ کرکے اقبال احمد لاڑک کو شدید زخمی کردیا جنہیں فوری طور پر نوشہروفیروز اسپتال منتقل کیا گیا جہاں ابتدائی طبی امداد کے بعد نواب شاہ اسپتال منتقل کیا جارہا تھا تاہم وہ راستے میں ہی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسے۔ پولیس نے ضروری کاروائی کے بعد لاش ورثاء کے حوالے کردی۔اُس سے ایک روز قبل قومی شاہراہ پر سدوجا کے قریب کار سوار نوجوان محمد عامر ولد محمد یونس کو ڈاکوؤں نے یرغمال بنا کر لوٹ مار کی اور مزاحمت پر فائرنگ کرکے قتل کردیا۔ مقتول نواحی گاؤں جانھیں منول کا رہائشی تھا۔ضلع نوشہروفیروز میں بڑھتی بدامنی کے خلاف اسکارپ یونین نوشہروفیروز کے صدر ساگر یوسف منگی سمیت دیگر نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ حکام سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ملزمان کو فوری گرفتار کیا جائے بصورت دیگر پورے سندھ میں احتجاجی مظاہرے کئے جائیں گے۔

(الطاف حسین قاسمی)

خونی آپریشن کو 13 سال گزرچکے، لواحقین کو اب تک انصاف نہیں ملا

کوئٹہ بلوچ یکجہتی کمیٹی کے مرکزی ترجمان نے 13 سال قبل 18 فروری کو توتک میں ہونے والے خونی آپریشن اور سندھ کے سیاسی وسماجی کارکن ہدایت لوہار کے قتل کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ آج سے 13 سال قبل 18 فروری کو توتک میں خونی آپریشن کیا گیا جس میں دوافراد کو شہید اور تقریباً 16 دیگر کو گمشدہ کیا گیا، جو آج تک جبری گمشدہ ہیں۔اسی سرزمین پر 25 جنوری 2013 میں اجتماعی قبروں کی دریافت نے بلوچ نسل کشی کو بیان کرنے کے لیے ایک نئی دردبھری کہانی دے دیا، جسے بلوچ یکجہتی کمیٹی بلوچ نسل کشی کے علامتی روز منانے کا اعلان کرچکی ہے۔توتک آپریشن میں جبری طور پر لاپتہ کیے گئے افراد اب تک جبری طور پر گمشدگی کا شکار ہیں اور ان میں سے بہت سے لوگ اجتماعی قبروں میں دفنائے گئے جبکہ آپریشن کے دوران دونو جوانوں کو بے دردی سے شہید کیا گیا۔توتک آپریشن کے بعد سے وہاں پر لوگوں کو مکمل طور پر ڈیتھ اسکواڈز کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا ہے اور عام لوگوں کی زندگی مکمل طور پر اجیرن بنادی گئی ہے۔ترجمان نے کہا کہ بلوچستان میں ایسا کوئی دن نہیں گزرتا جس دن بلوچستان کے کسی علاقے میں آپریشن نہیں ہوتا بلکہ آئے دن کسی علاقے یا گاؤں میں آپریشن کے نام پر لوگوں کو اٹھانا اور بعدازاں انہیں قتل کرنا ریاست کا وطیرہ بن چکا ہے۔حالیہ دنوں بلوچستان میں جاری آپریشنز میں اضافہ دیکھنے کو مل رہا ہے۔جبکہ ایک طرف جہاں بلوچوں کو قتل کرنے کا سلسلہ جاری ہے وہیں دوسری جانب پاکستان کے اندر موجود دیگر محکوم اقوام کے خلاف ریاستی ظلم وستم کا سلسلہ بھی تھمنے کا نام نہیں لے رہا۔اس کے علاوہ، ہدایت لوہار جو سندھ بھر میں جبری گمشدگیوں جیسے غیرانسانی عمل کے خلاف ایک مضبوط آواز تھے انہیں بے دردی سے قتل کرنا مظلوم اقوام کے خلاف ریاستی تشدد کا جاری سلسلہ ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا جارہا ہے۔ ہدایت لوہار کو قتل کرتے ہوئے ریاست نے مظلوم اقوام کو پیغام دیا ہے کہ پاکستان کے اندر موجود مظلوم اقوام مضبوطی کے ساتھ اس ریاستی ظلم کے خلاف یکجاہ ویکمشت ہوکر آواز اٹھائیں اور جدوجہد کریں۔ بلوچستان اور سندھ سمیت ریاست پاکستان کے کسی بھی کونے میں مظلوموں کی پرامن جدوجہد سے خائف نظر آتی ہے اس لیے جہاں بھی کوئی سیاسی کارکن اپنے لوگوں کی حقوق کیلئے کھڑا ہوتا ہے اور آواز اٹھاتا ہے ریاست اس کے خلاف صف بندیاں شروع کردیتی ہے۔ پاکستان میں مظلوموں کی آوازوں کو دبانے سے ریاست مظلوم اقوام کو ان کے انسانی حقوق سے محروم رکھنا چاہتی ہے اور اس کوشش میں وہ ہدایت لوہار جیسے سیاسی کارکنوں کو نشانہ بناتی ہے۔ہم اس قتل کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے قاتلوں کی گرفتاری اور انہیں قانون کے کٹہرے میں لانے کا مطالبہ رکھتے ہیں۔ترجمان نے بلوچستان میں جاری انسانی حقوق کی پامالیوں کی بندش، توتک آپریشن کے دوران اٹھائے گئے جبری طور پر لوگوں کی بازیابی، ہدایت لوہار کے قتل میں ملوث مجرموں کو قانون کے کٹہرے میں لانے کا مطالبہ دہراتے ہوئے کہا کہ ریاست کو سمجھنا چاہیے کہ بلوچستان کے لوگ انسان ہیں جانور نہیں جنہیں جبری طور پر گمشدگی کا نشانہ بنا کر جب چاہے قتل کردیا جاتا ہے۔ بلوچستان میں حالیہ اٹھنے والی عوامی تحریک انہی ریاستی مظالم کا ردعمل تھا لیکن ریاست ان عوامی تحریکوں سے بھی سبق حاصل نہیں کررہی ہے اور جعلی مقابلوں سمیت قتل وغارت گری اور لوگوں کو اٹھانے کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے جسے فوری طور پر بند ہونا چاہیے۔

(بلوچ یکجہتی کمیٹی)

بلوچستان بھر میں شاہراہیں مکمل طور پر بند، عوام پریشان

کوئٹہ انتخابات میں دھاندلی، نتائج میں تبدیلی اور تاخیر کے خلاف بلوچستان میں سیاسی، مذہبی اور قوم پرستوں جماعتوں کی جانب سے احتجاج کا سلسلہ جاری ہے۔اس حوالے سے جمعیت علماء اسلام نے پی بی 50 قلعہ عبداللہ سعید حمید کراس کو ہرقسم کے ٹریفک کیلئے بند کردیا۔چمن عوامی نیشنل پارٹی کا احتجاجی دھرنا تیسرے روز بھی جاری، ہزاروں کی تعداد میں کارکنان کی شرکت۔کوئٹہ چمن شاہراہ تیسرے روز بھی بند، ہزاروں کی تعداد میں مسافر پھنس کررہ گئے۔اے این پی کے مطابق شاہراہ بندش اور ڈی آر او آفس کے سامنے دھرنا درست رزلٹ کے اعلان تک جاری رہے گا۔دوسری جانب پسنی میں بھی حالیہ انتخابات میں مبینہ دھاندلی کے خلاف نیشنل پارٹی نے آج دوسرے روز بھی زیرو پوائنٹ کو بلاک کیے رکھا۔مکران کوسٹل ہائی وے پر ٹریفک کی روانی معطل، گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگ گئیں۔گوادر، تربت، پسنی، مند، تمپ سمیت لورالائی، کچلاک، یارو، خانوزی، مسلم باغ، بلیلی، ہزارگنجی، مستونگ، سبی، ژوب، چمن، قلات، خضدار، وڈھ، بیلہ، دالبندین، چاغی تفتان، نوشکی، سوراب، تربت، گوادر، ڈھاڈر، ہرنائی، زیارت کراس، کوژک، شیلاباغ، میزی اڈہ کے مقامات پر شاہراہیں مکمل طور پر بند ہیں۔

(نامہ نگار)

قاتلانہ حملے کے خلاف احتجاج

خیبر 'ہم محسن داوڑ پر قاتلانہ حملے کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہیں۔حکومتی ادارے اپنی قانونی وآئینی حدود میں رہیں۔ہم پشتون سرزمین پر امن، آئین اور قانون کی بالادستی چاہتے ہیں۔' ان خیالات کا اظہار حسین احمد آفریدی اور دیگر نے باڑہ پریس کلب کے باہر پشتون تحفظ موومنٹ کے احتجاجی مظاہرہ سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔اس موقع پر فرہاد آفریدی ایڈوکیٹ، ڈاکٹر مشتاق، لیاقت یوسفزئی، آفتاب شینواری اور مقیب اللہ آفریدی سمیت پی ٹی ایم کے عہدیداران اور کارکنان بھی کثیر تعداد میں موجود تھے۔

(مسعود شاہ)

کھانا کھانے پر دو طالبعلموں پر تشدد

نواب شاہ نواب شاہ میں انسانی تذلیل کے ایک بدترین واقعے پر سول سوسائٹی کی جانب سے سخت ردعمل پر پولیس نے کارروائی کرتے ہوئے دو ملزمان کو حراست میں لے لیا۔ تفصیلات کے مطابق، نواب شاہ کے نواحی علاقے سکرنڈ میں ایک نجی شادی ہال میں ایک تقریب میں دو نوجوانوں کو بن بلائے مہمان کے طور پر کھانا کھانے کی پاداش میں منتظمین نے تقریب سے نکال کر شادی ہال کے احاطے میں نہ صرف تشدد کیا بلکہ تشدد کی ویڈیو بنا کر وائرل کر دی۔ یہ واقعہ 16 فروری 2024 کی رات پیش آیا۔ اطلاعات کے مطابق، متاثرہ نوجوانوں کے ماموں علی حسن نے مصروفیات کے باعث اپنی جگہ اپنے بھانجوں کو شادی کی تقریب میں بھیجا تھا۔ علی حسن نے اس تذلیل پر دونوں نوجوانوں کے ہمراہ سکرنڈ پولیس اسٹیشن پہنچ کر رپورٹ درج کرائی اور موقف اختیار کیا کہ " مجھے واٹس ایپ نمبر پر راجا دیوان نے دعوت نامہ بھیجا تھا اور اپنی آواز کا پیغام بھی بھیجا۔ میرے پاس مصروفیات کی وجہ سے وقت نہیں تھا تو میں نے اپنے بھانجوں امجد اور اصغر جو کہ طالب علم ہیں کو دعوت میں بھیج دیا جہاں سے کچھ دیر بعد ہی ان کی تذلیل اور تشدد کی ویڈیو وائرل ہوئی جس پر میں نے بچوں سے رابطہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ ہم نقد تحائف کی مد میں نام درج کروا کر کھانے کی ٹیبل پر بیٹھے اور کھانا کھا رہے تھے کہ چند منتظمین نے ہمیں گھیر لیا اور ہمیں شادی ہال کے ایک جانب لے جا کر بن بلائے مہمان بتا کر تشدد کا نشانہ بنایا اور ویڈیو بنا کر وائرل کر دی جبکہ ہماری ایک نہ سنی گئی۔" علی حسن نے سکرنڈ تھانے سے ایک ویڈیو پیغام جاری کرتے ہوئے ایس ایس پی شہید بینظیر آباد سے مذکورہ واقعہ کا نوٹس لینے کا مطالبہ کیا۔ سکرنڈ پولیس نے تشدد کرنے والے شادی ہال کے گارڈ نظر محمد رند اور تقریب کے منتظم آنند کمار کو حراست میں لے لیا جبکہ علی حسن اور امجد کی مدعیت میں مقدمہ درج کر لیا ہے۔

(آصف البشر خان)

مسافروں کو مشکلات کا سامنا

نوشکی نوشکی صوبائی دارالحکومت کوئٹہ سے 140 کلو میٹر دور پاک ایران قومی شاہراہ این 40 پر واقع ہے۔ نوشکی سے کوئٹہ تک ایف سی کسٹم پولیس اور لیویز کی نصف درجن سے زائد چیک پوسٹوں سے نوشکی آنے اور جانے والے مسافروں کو مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ان چیک پوسٹوں پر سفر کرنے والے مسافروں کے شناختی کارڈ چیک کیے جاتے ہیں۔ اس طرح 40 منٹ کے قریب چیکینگ کی وجہ سے مسافروں کو وقت کے ضیاع کے ساتھ دیگر مشکلات اور دشواریوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نوشکی کے ٹرانسپورٹروں اور عوامی حلقوں نے مطالبہ کیا ہے کہ کوئٹہ-نوشکی شاہراہ پر غیر ضروری چیک پوسٹوں کو عوام اور ٹرانسپورٹروں کے مشکلات اور وقت کے ضیاع کو مدنظر رکھتے ہوئے فوری طور پر کم کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں کیونکہ بسوں، کوچز اور ویگنوں میں اکثر بیمار، عمر رسیدہ مرد و خواتین اور معصوم بچے سفر کرتے ہیں جنہیں کو مختلف مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(محمد سعید بلوچ)

ہزاروں شہری بے روزگار

چمن چمن میں پاک افغان بارڈر پر باب دوستی سے پاسپورٹ ٹریولنگ پالیسی کے خلاف جاری دھرنے کو 4 ماہ سے زائد عرصہ ہو چکا ہے جبکہ تین ماہ سے دو طرفہ بارڈر ٹریڈ اور ٹرانسپورٹ کی بندش سے ایک اندازے کے مطابق 10 ارب روپے ٹیکسز کے خسارے کا انکشاف بھی ہوا ہے۔ اطلاعات کے مطابق، یہ خسارہ صرف باب دوستی کے ذریعے درآمدات اور برآمدات سے محصولات حاصل نہ ہونے کے نتیجے میں ہوا ہے۔ حکام نے بتایا کہ مختلف پبلک سیکٹرز میں لوگوں کے پاس سے روزگار چھن جانے کے علاوہ بلوچستان کے بین الصوبائی ہائی ویز کے ساتھ روزگار سے منسلک ہزاروں لوگ بھی متاثر ہوئے ہیں جبکہ سندھ، پنجاب اور خیبر پختونخوا تک ٹرانسپورٹ کا شعبہ بری طرح متاثر ہوا ہے۔ صوبے کا شعبہ ٹرانسپورٹ زمین بوس ہونے والا ہے، جس کے مستقبل قریب میں خطرناک نتائج سامنے آئیں گے جبکہ حکومت کے پاس متبادل منصوبہ ہے اور نہ ہی منصوبہ سازی کے لیے منصوبہ ساز۔ سیکڑوں بڑے تاجر بھی پریشان ہیں اور انہوں نے بھی معاشی بوجھ کی وجہ سے 5 سے 10 ہزار ملازمین کو ملازمتوں سے فارغ کر دیا ہے۔ دوسری جانب دھرنا بدستور جاری ہے اور روزانہ ہزاروں لوگ دھرنے میں آتے ہیں۔

(محمد صدیق)

انتخابات میں مبینہ دھاندلی کے خلاف احتجاج

نوشکی بلوچستان میں انتخابات میں مبینہ دھاندلیوں کے خلاف چار جماعتی اتحاد کی اپیل پر احتجاجی ریلی نکالی گئی اور پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔ احتجاجی مظاہرے سے بلوچستان نیشنل پارٹی (بی این پی) کے ضلعی صدر میر بہادر خان مینگل، میر خورشید جمالدینی، آغا حق نواز، شاہ ملک، شبیر احمد مینگل، مشتاق بلوچ، الیاس بلوچ اور صاحب خان مینگل نے خطاب کیا۔ مقررین نے کہا کہ حکمرانوں کی ناقص پالیسیوں کی وجہ سے پاکستان مقروض اور دیوالیہ ہو رہا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے منفی ہتھکنڈوں سے باز نہیں آ رہے۔ 8 فروری کو انتخابات کے بعد جو ڈرامہ رچایا گیا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ 47 ارب روپے خرچ کر کے عوامی نمائندوں کے بجائے من پسند اور ڈرگ مافیا کے لوگوں کو پارلیمنٹ کی زینت بنا کر وہ کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟ مقررین کا کہنا تھا کہ گزشتہ 75 سالوں سے بلوچستان میں ظلم زیادتیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ 8 فروری کے انتخابات میں مبینہ دھاندلی بھی اس سلسلے کی کڑی ہے۔ بلوچستان کی قوم پرست جماعتیں جمہوریت پسند ہیں۔ انتخابات کے ذریعے پارلیمنٹ میں بلوچستان کے عوام کے حقوق کی پامالیوں اور ظلم و ناانصافیوں کے خلاف آواز بلند کرنے کی پاداش میں انہیں پارلیمنٹ سے باہر رکھ کر ڈرگ مافیا کو پارلیمنٹ میں لا کر اپنے مفادات کے حصول کے لیے راہ ہموار کی جا رہی ہے لیکن اس کے بھیانک نتائج سامنے آ سکتے ہیں۔ اسٹیبلشمنٹ کو بلوچستان کے عوام سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ ان کی نظریں بلوچستان کے ساحل اور وسائل پر لگی ہوئی ہے۔ بلوچستان کے عوام کے حقوق کے لیے برسوں سے سیاسی جدوجہد کرنے اور قربانیاں دینے والے نمائندوں کی بجائے انہیں منتخب کروایا گیا جن کے نام بھی انتخابی فہرستوں میں درج نہیں۔ حلقہ کے عوام انھیں جانتے تک نہیں۔ دوسری جانب تربت سے ڈرگ مافیا، اسی طرح ہزارہ ٹاؤن سے گمنام امیدوار، اور ژوب سے انتخابات سے دستبردار ہونے والے امیدوار کی کامیابی کو کس تناظر سے دیکھا جائے؟ مقررین نے کہا کہ آج ہمارے ہاتھوں میں جھنڈے ہیں اگر یہی صورت حال رہی تو کل خدانخواستہ نوجوانوں کے ہاتھوں میں بندوقیں ہوں گی۔ مقررین نے کہا کہ اگر سلیکشن ہی کرنی تھی تو پھر مقروض ملک کے 47 ارب خرچ ضائع کر کے پاکستان کو مزید معاشی مشکلات سے کیوں دوچار کیا جا رہا ہے؟ بلوچستان میں انتخابات میں مبینہ دھاندلیوں کے خلاف 13 فروری کو بلوچستان میں مکمل شٹر ڈاؤن ہڑتال بھی کی گئی۔

(محمد سعید)

عورتیں

'عزت' کے تصور پر تین اور قتل

ٹنڈو محمد خان شوہر سے ناراض ہو کر رشتے داروں کے گھر پناہ لینے کے لیے آنے والی خاتون کی موجودگی کی اطلاع پر شوہر نے ٹنڈو محمد خان کی تحصیل بلڑی شاہ کریم کے نواحی گاؤں میران محمد شاہ میں سید ھاشم شاہ شیرازی کے گھر کی دیواریں پھلانگ کر رات کے وقت نیند میں سوئے ہوئے افراد پر فائرنگ کر دی جس کے باعث 27 سالا نیاز شاہ، اس کی سگی بہن 55 سالا بچلاں اور 02 سالا معصوم بچی انیلا بنت نیاز شاہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے جب کہ بختاور زوجہ نیاز شاہ اور کمال شاہ ولد ھاشم شاہ زخمی ہو گئے۔ ملزمان موٹر سائیکل پر سوار ہو کر فرار ہو گئے۔ واقعہ کی اطلاع ملتے ہی مقتولین اور زخمیوں کو رورل ہیلتھ سینٹر بلڑی شاہ کریم لایا گیا جہاں سے ایمبولینس کے ذریعے مقتولین کو پوسٹ مارٹم کے لیے اور زخمیوں کو علاج کے لیئے ڈی ایچ کیو ہسپتال ٹنڈو محمد خان منتقل کر دیا گیا جہاں ضروری کاروائی کے بعد لاشیں ورثاء کے حوالے کر دی گئیں اور زخمیوں کو مزید علاج کے لیئے سول ہسپتال حیدرآباد منتقل کر دیا گیا۔ اطلاع ملتے ہی ایس ایس پی ٹنڈو محمد خان سید سلیم شاہ نے جائے وقوعہ پر پہنچ کر ملزمان کی گرفتاری کے لیئے ڈی ایس پی بلڑی شاہ کریم کی سربراہی میں پولیس پارٹی تشکیل دے دی۔ پولیس نے مرکزی ملزم کو گرفتار کر لیا ہے۔ (محمد رمضان شورو)

کاروکاری نے ایک اور جان لے لی

نوشہرو فیروز نواحی علاقہ پھل کے گاؤں سوبھو خان رند میں ایک شخص نے مبینہ طور پر اپنی نوجوان بھانجی کو کارو کاری کے الزام میں گلے میں پھندا ڈال کر قتل کر دیا۔ پولیس نے ملزم کو گرفتار کر لیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق نواحی علاقہ پھل کے گاؤں سوبھو خان رند میں اٹھارہ سالہ نوجوان لڑکی حضوراں لغاری کو ان کے ماموں شیر علی لغاری نے مبینہ طور پر کارو کاری کا الزام لگا کر گلے میں پھندہ ڈال کر قتل کر دیا۔ واقعہ کی اطلاع پر پھل تھانہ کی پولیس نے جائے وقوعہ پر پہنچ کر نعش اپنی تحویل میں لے کر ملزم شیر علی لغاری کو گرفتار کر لیا۔ مقتولہ حضوراں لغاری کی بہن حرمت لغاری نے میڈیا کو بتایا کہ "ہمارے ماموں نے میری بہن کو سیاہ کاری کے الزام میں قتل کر کے ظلم کیا ہے۔ ہمیں انصاف دیا جائے"۔

(الطاف حسین قاسمی)

'غیرت' کے نام پر ایک اور لڑکا لڑکی قتل



کوہستان **انتباہ: اس تحریر میں شامل چند تفصیلات چند قارئین کے لیے تکلیف کا باعث ہو سکتی ہیں۔** خیبر پختونخوا کے شمالی ضلع کوئی پالس کوہستان کے دورافتادہ علاقے بر پارو میں ایک نوجوان لڑکے اور لڑکی کو فائرنگ اور کلہاڑیوں کے وار کر کے ہلاک کیا گیا ہے جو یہاں گذشتہ تین ماہ کے دوران پیش آنے والا اس نوعیت کا تیسرا واقعہ ہے۔ پولیس تھانہ کوز پارو کے ایس ایچ او محمد جاوید خان کی مدعیت میں درج ایف آئی آر کے مطابق پولیس کو اپنے ایک اہلکار سے اطلاع ملی کہ بر پارو کے علاقہ چیرگئی میں ایک عورت اور مرد کو قتل کیا گیا ہے۔ ایف آئی آر کے مطابق پولیس اطلاع ملنے کے بعد جائے وقوعہ پر پہنچی تو دو لاشیں خون میں لت پت پڑی ملیں۔ پولیس معلومات کے مطابق لڑکا اور لڑکی چیرگئی کے رہائشی تھے۔ پولیس نے ایف آئی آر میں دعویٰ کیا ہے کہ 'ابتدائی معلومات کے مطابق مقتولہ کے بھائی اور والد نے فائرنگ کر کے دونوں کو قتل کیا اور یہ بظاہر غیرت کے نام پر قتل کا واقعہ معلوم ہوتا ہے جس کے بعد ملزمان فرار ہو گئے ہیں۔' پولیس نے ایف آئی آر میں لڑکی کے دوسرے بھائی کو بھی شامل کیا ہے اور دعویٰ کیا گیا ہے کہ دونوں قتل اُن کے صلاح مشورے پر کیے گئے ہیں۔ پولیس نے ملزمان کے خلاف دفعہ 302، 311 اور 109 کے تحت ایف آئی آر درج کر کے تفتیش شروع کر دی ہے۔

'لڑکے پر فائرنگ کے بعد اُس کے جسم کے ٹکڑے کر دیے گئے'

محمد فاروق (فرضی نام) مقتول لڑکے کے گاؤں شراکوٹ سے تعلق رکھتے ہیں، نے بتایا کہ 'لڑکے پر فائرنگ کے بعد اُس کے جسم کے ٹکڑے کر دیے گئے تھے۔' انھوں نے بتایا کہ 'کوہستان میں ان معاملات کی سختی سے ممانعت ہے اور اگر کوئی کسی کی بہن یا بیٹی کے ساتھ رابطہ بھی رکھے تو اُن کو مقامی زبان میں 'چور' کہتے ہیں۔' جسے کسی صورت معاف نہیں کیا جاتا اور جرگہ بیٹھنے کے بعد دونوں کو دونوں خاندان ہی قتل کرتے ہیں۔' سب ڈویژنل پولیس آفیسر ڈی ایس پی محمد ریاض نے بتایا کہ واقعہ کے بعد ایس ایچ او کوز پارو جاوید سمیت پولیس پارٹیاں متعلقہ علاقے میں موجود ہیں اور ملزمان کی گرفتاری کی کوشش کر رہے ہیں مگر وہ مزید تفصیل نہیں جانتے۔ انھوں نے بتایا کہ 'میں خود جائے وقوعہ جا رہا ہوں جہاں پر نیٹ ورک کام نہیں کرتا اور ایس ایچ او سے رابطہ نہیں ہو رہا۔' سنہ 2012 میں کوہستان ویڈیو سکینڈل کے بعد جرگے نے افضل کوہستانی نامی لڑکے جو بعد میں خود بھی ایبٹ آباد میں اسی کیس میں قتل کر دیے گئے تھے، کے دو بھائیوں کو قتل کرنے کا فیصلہ دیا تھا۔

کوہستان میں ماضی میں ہونے والے واقعات

خیال رہے کہ گذشتہ برس 27 نومبر کو کوئی پالس میں ایک لڑکی کو سوشل میڈیا پر مبینہ فوٹو شاپ تصاویر وائرل ہونے کے بعد قتل کر دیا گیا تھا جن میں بعد ازاں جرگہ ممبران سمیت ملزمان کو گرفتار کر لیا گیا اور فی الحال کیس عدالت میں زیرِ سماعت ہے۔ اسی طرح اکتوبر 2023 میں بھی ایک لڑکی کو مبینہ طور پر لڑکے کے ساتھ رابطہ رکھنے پر اُس کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا تھا لیکن لڑکی کو اس بات کا علم ہو گیا اور وہ جان بچاتے ہوئے پولیس کے پاس پہنچیں جہاں سے عدالت نے انھیں دارالامان بھیج دیا۔ کوہستان ایک قدامت پسند دورافتادہ علاقہ ہے جہاں پر تعلیم کی شرح چوبیس فیصد اور خواتین کی تعلیم صرف 5 فیصد ہے۔ سنہ 2012 میں رونما ہونے والا کوہستان ویڈیو سکینڈل بھی اسی علاقے میں پیش آنے والا واقعہ تھا جس میں لڑکوں کی ڈانس کرتے اور لڑکیوں کی تالیاں بجاتی ویڈیو وائرل ہوئی جس کے بعد جرگہ منعقد ہوا اور جرگے نے افضل کوہستانی نامی لڑکے جو بعد میں خود بھی ایبٹ آباد میں اسی کیس میں قتل کر دیے گئے کے دو بھائیوں کو قتل کرنے کا فیصلہ دیا تھا۔ واقعہ کو میڈیا کے ساتھ شیئر کرنے اور عدالت میں لے جانے پر افضل کوہستان خود اور اُن کے تین بھائی قتل ہوئے جبکہ ویڈیو میں نظر آنے والے دو بھائی تاحال روپوشی کی زندگی گزار رہے ہیں جبکہ اسی کیس میں ویڈیو میں نظر آنے والی چار لڑکیاں بھی قتل کی جا چکی ہیں۔ انسانی حقوق کمیشن آف پاکستان کی مرتب کردہ رپورٹس کے مطابق سال 2016 میں 1100، سال 2014 میں ایک ہزار، سال 2013 میں 869 خواتین غیرت کے نام پر اپنی قریبی رشتہ داروں کے ہاتھوں قتل ہوئی ہیں۔ انسانی حقوق کمیشن کی سال 2017 کے حوالے سے مرتب کردہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اس سال پورے ملک کی پولیس اور سرکاری اداروں سے اکھٹے ہونے والے اعداد و شمار کے مطابق قتل ہونے والی خواتین کی تعداد 309 بنتی ہے مگر یہ تعداد قابل اعتماد نہیں ہے کیونکہ سال 2017 میں مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی غیرت کے نام پر قتل کی رپورٹیں اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ انسانی حقوق کمیشن نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ غیرت کے نام پر قتل ہونے والی خواتین کی اصل تعداد ظاہر کی گئی تعداد سے کئی زیادہ ہو سکتی ہے۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

میاں بیوی کا تحفظ کی فراہمی کا مطالبہ

ٹنڈومحمد خان والد کی وفات کے بعد بہنوئی کے مظالم سے تنگ آ کر پنجاب کے علاقہ ننکانہ صاحب کی خاتون نے ٹنڈ محمد خان میں پناہ لینے کے بعد وہاں کے ایک شخص سے شادی کر لی ہے اور ننکانہ صاحب تھانہ پر درج اغواء کا مقدمہ خارج کرنے کی اپیل بھی کی۔ تفصیلات کے مطابق ننکانہ صاحب کے گاؤں پڑی پور کی رہائشی خاتون 30 سالہ نصرت صدیق نے اپنے شوہر جاوید علی جمالی کے ساتھ پریس کلب پہنچ کر سرکار سے تحفظ کا مطالبہ کیا ہے۔ نصرت صدیق نے بتایا کہ "جاوید سے میری جان پہچان سوشل میڈیا کے ذریعہ ہوئی اور ہم نے شادی کا فیصلہ کیا اور میں ٹنڈ محمد خان آ گئی جہاں جاوید میرا انتظار کر رہا تھا اور ہم دونوں نے ایڈیشنل سیشن جج کی عدالت میں شادی کی۔ شادی کے بعد میرے بہنوئی علی احمد نے ننکانہ صاحب پولیس اسٹیشن پر میرے اغوا کا مقدمہ درج کرایا اور پنجاب پولیس اور نجی مسلح افراد کو ساتھ لے کر سندھ میں مجھے اور میرے شوہر کی گرفتاری کے لیئے آیا ہے اور فون پر ہمیں جان سے مارنے کی دھمکیاں دے رہا ہے جس کے باعث ہم دونوں میاں بیوی دربدری کی زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔" انہوں نے بتایا کہ "میرے والد محمد صدیق 2014 میں فوت ہو گئے تھے جس کے بعد میرا بہنوئی علی احمد روزانہ مجھ پر تشدد کرتا تھا اور وہ میری شادی میری مرضی کے خلاف کرانا چاہتا تھا۔" انہوں نے آئی جی سندھ اور آئی جی پنجاب سے مطالبہ کیا کہ انہیں تحفظ دیا جائے۔

(محمد رمضان شورو)

نعش برآمد

سجاول میرپور بٹھورو کے نواحی گاؤں گلن میں 20 سال ناظم چانڈیو ولد ناتھو چانڈیو کی نعش گاؤں میں درخت سے لٹکی ملی ہے۔ موقع پر پولیس کو اطلاع دی گئی جو نعش کو تحصیل ہسپتال میرپور بٹھورو لے آئی۔ ضروری کارروائی کرنے کے بعد نعش کو ورثاء کے حوالے کردیا گیا۔ رابطہ کرنے پر ورثاء نے بتایا کہ مقتول کو کوئی پریشانی نہیں تھی نہ ہی اس کی کسی سے کوئی دشمنی تھی۔ میرپور بٹھورو پولیس کے مطابق وہ تفتیش کررہے ہیں۔ واضح رہے کہ ایک ماہ پہلے بھی اسی گاؤں کے نوجوان علی احمد نے بھی خودکشی کی تھی۔ ورثاء کا کہنا ہے کہ اس کی تفتیش کر کے ان کو انصاف دلایا جائے۔

(نامہ نگار)

بچے

بچے کو مبینہ جنسی زیادتی کے بعد قتل کردیا

اوکاڑہ تھانہ حجرہ شاہ مقیم کے علاقہ بدری داس میں 18 سالہ نوجوان نبی بخش نے چار سالہ معصوم بچے کو کھیتوں میں لے جا کر مبینہ طور پر جنسی زیادتی کا نشانہ بنانے کے بعد قتل کر دیا۔ بچے کی لاش کھیتوں سے برآمد ہوئی۔ علاقہ مکینوں نے ملزم کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کردیا۔ پولیس نے موقع پر پہنچ کر نعشوں کو پوسٹ مارٹم کے لئے ٹی ایچ کیو ہسپتال دیپال پور منتقل کر کے مقدمہ درج کرلیا ہے۔ اس المناک واقعہ پر علاقہ بھر میں خوف وہراس اور سوگ کی فضا ہے۔

(اصغر حسین حماد)

بیوی کو جان سے مار ڈالا

اوکاڑہ غیرت کے نام پر شوہر نے بیوی کو قتل کردیا۔ حجرہ شاہ مقیم کے نواحی گاؤں بونگی پوہلو میں شعبان نامی نوجوان کی شادی دو سال قبل 22 سالہ اقصیٰ سے ہوئی تھی۔ اطلاعات کے مطابق، شعبان کو شک تھا کہ اس کی بیوی کے گاؤں کے نوجوان اکرم سے ناجائز تعلقات ہیں جس پر اس نے اشتعال میں آ کر فائرنگ کر کے اپنی بیوی کو قتل کردیا۔ ملزم موقع سے فرار ہوگیا۔ اطلاع ملنے پر ڈی ایس پی دیپالپور حافظ خضر زمان اور ایس ایچ او حجرہ ارسلان اعظم جائے وقوعہ پر پہنچ گئے۔ اور لاش کو اپنے قبضہ میں لے کر مقدمہ درج کرلیا ہے۔

(اصغر حسین حماد)

سال 2023ء کے دوران بچوں سے زیادتی کے واقعات

اسلام آباد قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کے تعاون سے ساحل کی مرتب کردہ رپورٹ بروز جمعرات 29 فروری کو جاری کی گئی جس کے اعداد وشمار سے یہ بات سامنے آئی کہ سال 2023 کے دوران روزانہ کی بنیاد پر 11 بچوں کے ساتھ زیادتی کی گئی۔ رپورٹ کے مطابق سال 2023 میں اسلام آباد کیپیٹل ٹیریٹری (آئی سی ٹی)، آزاد جموں وکشمیر (اے جے کے) اور گلگت بلتستان (جی بی) سمیت چاروں صوبوں سے مجموعی طور پر 4213 بچوں سے زیادتی کے واقعات رپورٹ ہوئے۔ کیسز کی کل تعداد میں بچوں کے جنسی استحصال کے رپورٹ شدہ کیسز، اغوا کے کیسز، لاپتہ بچوں کے کیسز اور بچوں کی شادیوں کے کیسز شامل ہیں۔ اس رپورٹ کے اعداد وشمار کی صنفی تقسیم کے تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ بچوں کے ساتھ زیادتی کے کل رپورٹ کیے گئے واقعات میں سے 2251 (53%) متاثرین لڑکیاں اور 1962 (47%) لڑکے تھے۔ رپورٹ کی گئی عمر سے پتہ چلتا ہے کہ 6 سے 15 سال کی عمر کے گروپ میں بچوں کو زیادتی کا سب سے زیادہ خطرہ ہوتا ہے، جس میں لڑکیوں کی نسبت زیادہ لڑکے رپورٹ کیے گئے تھے۔ مزید یہ کہ 0 سے 5 سال کے بچوں کو بھی جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ کیٹیگری کرول نمبرز 2023 اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ رشتہ داروں، کنبہ کے افراد، اجنبیوں اور خواتین کی مدد سے جاننے والے بھی بچوں کے جنسی استحصال میں سب سے زیادہ ملوث ہیں۔ جغرافیائی تقسیم کے اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ کل 4213 کیسز میں سے 75% پنجاب، 13% سندھ، 7% کیسز اسلام آباد، 3% کیسز، خیبر پختونخوا اور 2% کیسز بلوچستان، آزاد جموں وکشمیر اور گلگت بلتستان سے رپورٹ ہوئے۔ اس موقع پر گفتگو کرتے ہوئے چیئر پرسن این سی ایچ آر رابعہ جویری آغا نے کہا کہ ہمیں بچوں سے زیادتی کے مسئلے کو سنجیدگی سے حل کرنا ہے۔ ساحل کی طرف سے بتائی گئی تعداد بے شک ظالمانہ ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے، جس کا ہمیں سامنا کرنا پڑے گا۔ ان تشویشناک اعداد وشمار کے پیش نظر افسوسناک امر یہ ہے کہ حکومت پاکستان کے پاس بچوں کے ساتھ بدسلوکی کے حوالے سے ابھی تک کوئی نوٹیفائیڈ نیشنل ایکشن پلان نہیں ہے۔ ایگزیکٹو ڈائریکٹر ساحل منیزہ بانو نے کہا کہ پاکستان کے آئین کا آرٹیکل 25 اے کے تحت 5 سے 16 سال تک تعلیم مفت ہے۔ بچوں کی تعلیم کو یقینی بنانے کے لیے اس آرٹیکل پر عمل درآمد کیا جانا چاہیے۔ زندگی کی مہارتوں پر مبنی تعلیم فراہم کرنے کے لیے نصاب کو بہتر بنانے کی اشد ضرورت ہے۔ کرول نمبر 2023 سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ کل رپورٹ ہونے والے کیسز میں سے 91 فیصد پولیس کے پاس رجسٹرڈ تھے۔ یہ ایک مثبت علامت ہے جو اس مسئلے سے نمٹنے میں پولیس کے فعال کردار کی نشاندہی کرتی ہے۔ مانیٹرنگ کیے گئے کل 2184 کیسز میں سے سب سے زیادہ تعداد بچوں کی تھی ان میں سے 694 ڈوب کر 401، حادثات میں 286 جاں بحق، 121 تشدد سے ہلاک، 111 زخمی، 110 نے خودکشی کی اور 103 بجلی کے جھٹکوں سے ہلاک ہوئے۔ ساحل نے روزانہ 81 قومی اور علاقائی اخبارات کیا نیٹرنگ کرتے ہوئے 'کرول نمبرز 2023' مرتب کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس تحقیق سے معاشرے کے تمام طبقات تک بچوں کے جنسی استحصال کی مختلف شکلوں کے بارے میں بیداری اور معلومات پھیلانے کیلئے بھی کردار ادا کیا جائے گا۔

(بشکریہ نیوز)

تعلیم

درجنوں مزید بچے تعلیم سے محروم

چمن چمن شہر کے وسط میں قائم گورنمنٹ پرائمری اسکول مدرسہ بحرالعلوم چمن میں 61 سے زائد بچے زیرِ تعلیم ہیں مگر اسکول میں صرف ایک استاد تعینات ہے۔ان خیالات کا اظہار گورنمنٹ پرائمری اسکول مدرسہ بحرالعلوم جامع مسجد نور گھوڑا اسپتال روڈ چمن کی تعلیمی کمیٹی پی ٹی ایس ایم سی کے چیئرمین حافظ سیف الرحمٰن صدیق نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے نمائندے سے کیا۔انہوں نے مزید بتایا کہ انہوں نے کئی بار حکام بالا کو اس مسئلے سے آگاہ کیا ہے۔گزشتہ سال 2022 میں اسکول میں مزید دو اسامیوں پر بھرتی کی منظوری کیلئے محکمہ تعلیم کو درخواست جمع کروائی گئی لیکن دو سال گزرنے کے باوجود مسئلہ حل نہیں ہوا۔لہٰذا پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ترجمان جہدحق کی وساطت سے محکمہ تعلیم کے اعلیٰ حکام سے پر زور اپیل کرتے ہیں کہ گورنمنٹ پرائمری اسکول مدرسہ بحرالعلوم BEMIS No 15976 جامع مسجد نور گھوڑا اسپتال روڈ چمن میں مزید دو اساتذہ کی تعیناتی کی منظوری دی جائے تاکہ علاقے کے مزید بچوں کو داخلہ دلا کر تعلیم کا حق فراہم کیا جاسکے۔ (محمد صدیق)

مادری زبانوں کے تحفظ پر زور

چمن مادری زبانوں کے عالمی دن کی مناسبت سے شمشاد رائٹرز فورم پاکستان اور پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے زیرِ اہتمام 21 فروری کو ایک اجلاس منعقد کیا گیا جس سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے کہا کہ مادری زبانوں کے عالمی دن کو منانے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ جس مادری زبان کو آپس میں گفت وشنید کیلئے استعمال کرتے ہیں اس کا احترام کیا جائے تاکہ زبانیں ناپید ہونے سے بچ جائیں۔انہوں نے مزید کہا کہ 18 نومبر 1999ء کو اقوام متحدہ کے ادارہ برائے فروغ ثقافت، تعلیم اور سائنس (یونیسکو) نے فیصلہ کیا کہ 21 فروری مادری زبانوں کے عالمی دن کے طور پر منایا جائے گا۔مقررین نے مطالبہ کیا کہ تمام زبانوں کی ترقی وترویج کے لئے ان کے رسم الخط کو جدید بنانے سمیت تمام ضروری اقدامات کیے جائیں۔مقررین میں ایچ آر سی پی کے سابق ڈسٹرکٹ کوآرڈینیٹر اور شمشاد رائٹرز فورم پاکستان کے مرکزی صدر محمد صدیق مدنی، فرید نثار ایڈووکیٹ، حاجی محمد حنیف مسلم، سرفراز مینوال، عزیز الرحمٰن کاکوزئی، سمیع اللہ کاکوزئی، حافظ سیف الرحمٰن صدیق اور حبیب الرحمٰن کاکوزئی شامل تھے۔ (محمد صدیق)

اساتذہ کی عالمگیر کمی پر تعلیمی اہداف کے حصول میں مشکلات کا سامنا



اقوام متحدہ کے تعلیمی، سائنسی وثقافتی ادارے (یونیسکو) نے بتایا ہے کہ تعلیمی شعبے میں پائیدار ترقی کے اہداف کو حاصل کرنے کے لیے 2030 تک دنیا کو 4 کروڑ 40 لاکھ اساتذہ کی فوری ضرورت ہوگی۔دنیا بھر میں ابتدائی تعلیم کے لیے اضافی اساتذہ کی خدمات کے حصول پر 12.8 ارب ڈالر اور ثانوی تعلیم کے اساتذہ کی بھرتی پر 106.8 ارب ڈالر کے اخراجات آئیں گے۔یونیسکو نے یہ بات جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں اساتذہ سے متعلق بین الاقوامی ٹاسک فورس کے اجلاس میں بتائی ہے۔اس موقع پر تدریسی شعبے کے لیے سیکرٹری جنرل کے اعلیٰ سطحی پینل نے تمام لوگوں کے تعلیمی مستقبل کو تحفظ دینے کے لیے نئی سفارشات پیش کی ہیں۔اس موقع پر اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے اپنے وڈیو پیغام میں کہا کہ اساتذہ کی تربیت، تدریس کے پیشہ وارانہ معیار وضع کرنے، اساتذہ کو پالیسی سازی میں شامل کرنے اور ان کی کمی پر قابو پانے کے لیے قومی سطح پر کمیشن قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

معیاری تعلیم وتربیت

سیکرٹری جنرل کا کہنا تھا کہ دورحاضر میں ہر جگہ لوگوں کو اعلیٰ معیار کی صلاحیتوں، علم اور تعلیم کی ضرورت ہے۔سب سے بڑھ کر انہیں ہر ممکن حد تک بہترین اساتذہ درکار ہیں۔یونیسکو کے مطابق، 2030 تک ثانوی تعلیمی درجے میں 70 فیصد اور مجموعی طور پر نصف اساتذہ یہ پیشہ چھوڑ چکے ہوں گے جن کی جگہ نئے اساتذہ کی ضرورت ہوگی۔اگرچہ یہ عالمگیر مسئلہ ہے تاہم صحارا افریقہ میں اساتذہ کی سب سے زیادہ کمی ہے جہاں 2030 تک اندازاً ڈیڑھ کروڑ نئے اساتذہ کی ضرورت ہوگی۔

نظام تعلیم پر دباؤ

دنیا بھر میں اساتذہ کی کمی کے گہرے اثرات مرتب ہورہے ہیں جس کا نتیجہ کمرہ جماعت میں طلبہ کی بہت بڑی تعداد، اساتذہ پر شدید دباؤ، تعلیمی عدم مساوات اور تعلیمی نظام پر مالیاتی دباؤ کی صورت میں برآمد ہورہا ہے۔اس کے نتیجے میں تعلیم کا معیار اور اس تک رسائی بھی متاثر ہورہی ہے۔2015 میں ابتدائی تعلیم دینے والے اساتذہ میں پیشہ چھوڑنے کی شرح 4.62 فیصد تھی جو 2022 میں 9.06 فیصد پر جا پہنچی۔رپورٹ کے مطابق یہ اساتذہ عام طور پر ابتدائی پانچ برس میں ہی نوکری دیتے ہیں۔پائیدار ترقی کے چوتھے ہدف کو حاصل کرنے کے لیے 2030 تک پرائمری اور ثانوی درجے کے اساتذہ کو تنخواہوں کی ادائیگی کے لیے مزید 120 ارب ڈالر درکار ہوں گے۔اس ہدف کے تحت موجودہ دہائی کے اختتام تک دنیا کے تمام لوگوں کے لیے مشمولہ ومساوی تعلیم کی فراہمی اور انہیں زندگی کے ہر حصے میں سیکھنے کے مواقع کو یقینی بنایا جانا ہے۔

پینل کی سفارشات

اعلیٰ سطحی پینل کی سفارشات سے تعلیم میں تبدیلی لانے سے متعلق 2022 میں منعقدہ اقوام متحدہ کی کانفرنس کے اہداف کی تکمیل میں بھی مدد ملے گی۔عالمی ادارہ محنت (آئی ایل او) اور یونیسکو نے بھی ان سفارشات کی حمایت کی ہے جن میں دیانت، انسانیت، تنوع، مساوات وشمولیت، معیار، اختراع وقیادت اور استحکام کی صورت میں نظام تعلیم بنیادی پہلوؤں پر خاص توجہ دی گئی ہے۔
پینل کی سفارشات میں ایسا ماحول تخلیق کرنے کے لیے بھی کہا گیا ہے جہاں اساتذہ کے لیے تعلیمی تبدیلی کو ممکن بنانا، تنقیدی سوچ کو فروغ اور جدید تدریسی صلاحیتوں کو ترقی دینا ممکن ہو۔پینل کا کہنا ہے کہ اساتذہ کو محض علم بانٹنے والوں کے بجائے تعلیمی شعبے میں شراکت داروں کی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔تعلیمی نظام کے لیے حسب ضرورت مالی وسائل کی فراہمی اور تعلیمی عمل کو ٹیکنالوجی سے ہم آہنگ کرنا ضروری ہے اور اس میں ڈیجیٹل تدریس اور دیگر ٹیکنالوجی کے استعمال پر توجہ مرکوز کی جانی چاہیے۔سیکرٹری جنرل نے تعلیمی ماہرین کی جاری کردہ اس رہنمائی پر وسیع تر عملدرآمد کی ضرورت کو واضح کیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ جس طرح اساتذہ تمام لوگوں کو زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے مدد دیتے ہیں اسی طرح اب ہمیں انہیں مدد دینا ہے۔اس ضمن میں یہ یقینی بنانے کی ضرورت ہے کہ انہیں سبھی کو معیاری اور دورحاضر کے تقاضوں کے مطابق تعلیم وتربیت کی فراہمی کے لیے درکار مدد، قدر اور مالی وسائل میسر ہوں۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

اقلیتیں

ایک اور احمدی عبادت گاہ پر حملہ

کراچی تھانہ جوہر آباد کراچی کی حدود میں 28 فروری 2024 بدھ کے روز شام سوا پانچ بجے کے قریب کراچی کے علاقے دستگیر سوسائٹی کے بلاک نمبر 14 میں جماعت احمدیہ کی عبادت گاہ کے مینار کو 15 سے 20 نامعلوم افراد نے مسمار کر دیا۔ اُس وقت جماعت احمدیہ کی عبادت گاہ کے باہر دو مسلح پولیس اہلکار ڈیوٹی پر موجود تھے جنہیں انتہا پسندوں نے یرغمال بنا لیا اور ہتھوڑوں سے عبادت گاہ کی توڑ پھوڑ شروع کر دی۔ تین سے چار افراد سیڑھی لگا کر چھت پر چڑھ گئے اور مینار جو کہ لوہے کی چادر سے ڈھکا ہوا تھا، کو توڑنا شروع کر دیا۔ نیز عبادت گاہ کی بیرونی دیوار کو بھی ہتھوڑوں سے نقصان پہنچایا۔ جو حملہ آور چھت پہ چڑھے انہوں نے عبادت گاہ میں موجود ایک احمدی خاندان کو خوفزدہ کیا۔ حملہ آوروں نے جاتے ہوئے بیرونی کیمرے بھی توڑ دیے۔ یاد رہے کہ 10 ستمبر 2023 کو بھی اس عبادت گاہ کے مینار توڑنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس وقت پولیس کے مشورے سے مینار کے گرد لوہے کی چادر لگا کر انہیں ڈھانپ دیا گیا تھا۔ یہ عبادت گاہ 1960 کی دہائی میں تعمیر کی گئی تھی۔ گزشتہ سال کراچی میں جماعت احمدیہ کی متعدد عبادت گاہوں کو نشانہ بنایا گیا تھا۔ ان میں سے بعض واقعات کے مقدمات بھی درج ہوئے تاہم کسی ذمہ دار کو سزا نہیں مل سکی جس کی وجہ سے شر پسند عناصر کے حوصلے بلند ہو چکے ہیں۔ 18 جنوری کو مارٹن روڈ کراچی، 2 فروری کو صدر کراچی، 24 جولائی کو ڈرگ روڈ کراچی، 4 ستمبر کو صدر کراچی، 21 ستمبر کو مارٹن روڈ کراچی کی احمدی عبادت گاہوں پر مذہبی انتہا پسندوں نے حملہ کیا تھا۔ آج جس دیدہ دلیری سے مذہبی انتہا پسندوں نے پولیس اہلکاروں کو یرغمال بنا کر احمدی عبادت گاہ کے مینار توڑے ہیں اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انتہا پسندوں کے حوصلے کس قدر بلند ہیں۔ پاکستان میں انتہا پسندی مختلف شکلوں میں ظاہر ہو رہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ریاستی ادارے اور اس کے ساتھ ساتھ سول سوسائٹی اس انتہا پسندی کے خلاف مضبوطی سے کھڑے ہوں کیونکہ شدت پسند عناصر پاکستان کا امن و امان برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اگر ریاستی ادارے اور سول سوسائٹی مذہبی انتہا پسندی کے خلاف کھڑی نہ ہوئی اور موثر کارروائی نہ کی گئی تو ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے پاکستانی اس کی زد میں آئیں گے۔

(عامر محمود)

احمدیہ عبادت گاہ پر حملہ



کوٹلی عبادگاہ کے مینار اور محراب مسمار کر دیے گئے۔ احمدی خواتین اور مردوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ 12 فروری 2024ء کو دن پونے گیارہ بجے کے قریب شر پسند عناصر نے احمدیہ عبادت گاہ بھابڑہ ضلع کوٹلی آزاد کشمیر پر حملہ کر کے اس کے مینار اور محراب کو مسمار کر دیا۔ تفصیلات کے مطابق 50/60 شر پسند افراد ہتھوڑوں، بیلچوں، ڈنڈوں اور اسلحہ سمیت بھابڑہ کی احمدیہ عبادت گاہ پر حملہ آور ہوئے۔ ان لوگوں نے سب سے پہلے بیت الذکر کے سی سی ٹی وی کیمرے توڑے۔ اس کے بعد 4 مینار اور محراب کو توڑا اور پھر عبادت گاہ کے اندر داخل ہو کر توڑ پھوڑ کی۔ حملہ آوروں نے عبادت گاہ میں موجود نوجوان واجد حسین کو ہتھوڑوں اور ڈنڈوں سے مارا جس سے وہ شدید زخمی ہو گئے۔ اس دوران دو حملہ آور ہوائی فائرنگ کرتے رہے۔ جب دیگر احمدی واجد حسین کو وہاں سے باہر نکالنے گئے تو حملہ آوروں نے ان پر بھی حملہ کر کے ان کو بھی زخمی کر دیا۔ اسی طرح عبادت گاہ سے ملحقہ گھر میں داخل ہو کر احمدی خواتین کو زدوکوب کیا اور گالم گلوچ کرتے رہے اور ایک احمدی خاتون زاہدہ پروین کو زدوکوب کر کے زخمی کر دیا۔ اطلاع ملنے پر پولیس موقع پر پہنچی۔ تمام زخمی افراد کو ڈسٹرکٹ اسپتال کوٹلی پہنچا دیا گیا ہے جہاں ان کا علاج جاری ہے۔ وقوعہ کے بارے میں تھانہ کوٹلی پولیس کو تحریری درخواست جمع کروا دی گئی ہے۔ گذشتہ کچھ عرصہ سے جماعت احمدیہ کے مخالفین احمدیہ بیت الذکر بھابڑہ کے مینار گرانے کا مطالبہ کر رہے تھے اور انہوں نے انتظامیہ کو 16 دسمبر 2023ء تک الٹی میٹم دیا تھا اور ایسا نہ ہونے کی صورت میں حملے کی دھمکی دی تھی۔ (عامر محمود)

مذہبی آزادیوں کے لیے ایوارڈ

---- امریکی وزیرِ خارجہ اینٹنی بلنکن نے حال ہی میں سات افراد اور مذہبی رہنماؤں کے ایک گروپ کو عالمی سطح پر مذہبی آزادی کے فروغ اور اس کے دفاع کے لیے ان کی ہمت اور ان کے عزم کے اعتراف میں، بین الاقوامی مذہبی آزادی ایوارڈ سے نوازا۔ ایوارڈ وصول کرنے والے پہلے شخص فرید احمد تھے جنہوں نے 2019 میں کرائسٹ چرچ میں ایک مسجد میں ہونے والے حملوں میں اپنی اہلیہ کی ہلاکت کے بعد نیوزی لینڈ اور پوری دنیا میں امید اور درگزر کا پیغام پھیلانا جاری رکھا۔ نائیجیریا میں کولا الاپنی حقوق انسانی کی ایک بین الاقوامی وکیل ہیں جو مذہب کی آزادی کے کئی مقدمات میں قانونی دفاع فراہم کرتی ہیں اور نائیجیریا کے توہینِ مذہب کے قوانین کی آئینی حیثیت کو چیلنج کرتی ہیں۔ ایوارڈ حاصل کرنے والے ایک اور شخص مرزا دیناء ہیں جو حقوق انسانی کے ایک۔ دلیر محافظ اور مذہبی آزادی کے ایک سرگرم کارکن ہیں۔ پیٹر جیکب، مذہبی آزادی اور حقوق انسانی کی انتھک وکالت کرنے والے شخص ہیں جنہوں نے پاکستان کی پسماندہ مذہبی اقلیتی برادریوں کے حقوق کے لیے 35 سال سے زیادہ عرصے تک جدوجہد کی۔ ماریھا پیٹریشیا مولینا مونٹی نیگرو نے 2019 سے کیتھولک چرچ اور مذہبی برادریوں پر نکاراگوا حکومت کے جبر کو دستاویزی شکل دی ہے۔ پولیس کی جانب سے مہینوں تک ہراساں کیے جانے کے بعد، قید ہو جانے کے خوف کے سبب، مولینا جون 2021 میں نکاراگوا سے فرار ہو گئیں۔ دو ہزار بائیس سے مولینا کی رپورٹنگ میں پولیس کی جانب سے ہراساں کرنے کی کارروائیوں اور حکومت کے زیر قیادت مذہبی آزادی کی خلاف ورزیوں خاص طور سے نکاراگوا میں کیتھولک پادریوں کے خلاف کارروائیوں کو دستاویزی شکل دینے پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ ہولوکاسٹ میں بچ جانے والے خاندان میں پیدا ہونے والی، جنوبی افریقہ کی ٹالی نیٹس، جوہانسبرگ ہولوکاسٹ اینڈ جینوسائیڈ سینٹر کی بانی اور ڈائریکٹر کی حیثیت سے جنوبی افریقہ کے لوگوں خاص طور پر نوجوانوں کو اس بڑھتی ہوئی بیان بازی سے بچنے کے واسطے جو کمزور گروہوں کو غیر انسانی بنا کر پیش کرتی ہے۔ وہ عوامی جمہوریہ چین کے جبر کا سامنا کرنے والے تبتیوں اور دیگر گروپوں کے ارکان کے لیے اوپن سورس کمیونیکیشن ٹیکنالوجیز، عدم تشدد پر مبنی حکمت عملیوں اور جدید تربیتی پروگراموں کو تیار کرنے اور آگے بڑھانے میں حقوق انسانی کی وکالت کرنے والوں کی ایک ٹیم کی رہنمائی کرتی ہیں۔ امریکہ، مذہبی آزادی کی انتھک وکالت کرنے والے ان لوگوں کو سلام پیش کرتا ہے، جو ایک بنیادی انسانی حق ہے جس کے تمام لوگ حق دار ہیں۔

یہ اداریہ امریکی حکومت کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔

(بشکریہ وائس آف امریکہ)

قانون نافذ کرنے والے ادارے

اسپتال کی عمارت کے ایک حصے پر فوجی فاؤنڈیشن کا قبضہ

گلگت چلاس ریجنل ہیڈکوارٹر اسپتال کے 10 کمروں پر فوجی فاؤنڈیشن نے قبضہ جما لیا ہے جہاں ریٹائرڈ فوجی اور فوج میں حاضر سروس ملازمین کا علاج و معالجہ ہوگا۔ دیامر یوتھ موومنٹ کا کہنا ہے کہ فوجی فاؤنڈیشن اسپتال ضرور کھولیں لیکن عوامی ملکیتی عمارت پر نہیں بلکہ زمین خرید کر خود اپنی بلڈنگ بنائیں یا کرایہ پر بلڈنگ لیں۔ ریجنل ہیڈکوارٹر اسپتال چلاس جہاں پہلے ہی وارڈز کی کمی ہے اوپر سے دس کمروں پر فوجی فاؤنڈیشن کے قبضے کے بعد غریب مریضوں کو کہاں رکھا جائے گا؟ دیامر یوتھ موومنٹ نے اسپتال کے کمروں پر فوجی فاؤنڈیشن کے قبضے کی شدید مذمت کرتے ہوئے فوری طور اسپتال کے کمروں کو خالی کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

(وزیر حسین)

فورسز اور علاقے کے رہائشیوں کے مابین کشیدہ صورت حال

پاراچنار کشیدگی کی وجہ دو روز قبل دو متحارب قبائلیوں پیواڑ اور گیدو کے مابین جنگل کے تنازعے پر فائرنگ ہے جس میں ایک سیکورٹی اہلکار فریقین کی گولیوں کی زد میں آکر جاں بحق ہوا تھا جبکہ دو مزید شہریوں کے زخمی ہونے کی اطلاعات ہیں۔ ایک مصالحتی جرگہ نے علاوہ پیواڑ جا کر علاقے کے مکینوں کیساتھ ملاقات کے بعد رکن جرگہ تجمل آغا نے بتایا کہ پیواڑ کے عمائدین نے جرگے کو بتایا کہ دو روز قبل علاوہ گیدو کا ایک ٹریکٹر متنازعہ جنگل آیا تھا جس پر انھوں نے حکام کو مطلع کیا لیکن کوئی کاروائی نہ کی گئی جس کے بعد فائرنگ شروع ہوئی جسکے نتیجے میں دو افراد زخمی ہوئے جبکہ ایک سیکورٹی اہلکار بھی فائرنگ کی زد میں آکر جاں بحق ہوا جسکی لاش انھوں نے خود اٹھا کر حکام کی حوالے کی۔ بعدازاں فورسز نے پیواڑ کے ایک گاؤں ملا یانوں میلہ کی تلاشی لے کر چادر و چار دیواری کی خلاف ورزی کی۔ اور مختلف چیک پوسٹوں پر پیواڑ کی رہائشیوں کو تنگ کیا جارہا ہے۔ کل پشاور سے آنے والوں مسافرین اور بیمار جو علاج کی غرض سے پشاور گئے تھے اور جن کے ساتھ خواتین بھی تھیں، کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی۔ جبکہ آج بھی ایک رہائشی مشہود علی کو گرفتار کیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ عمائدین نے بتایا کہ وہ مذاکرات کے لئے تیار ہیں اور مطلوبہ افراد بھی حکومت کے حوالے کرنے پر تیار ہیں لیکن حکومت پورے علاقے کے لوگوں کو حراساں کرنا اور اذیت دینا بند کریں اور غیر قانونی گرفتاریوں کو بھی فوراً بند کریں۔ کرم سے نومنتخب ایم این اے انجینئر حمید حسین نے سوشل میڈیا پر اپنے پیغام میں کہا کہ پیواڑ میں جنم لینے والے مسائل کا انھیں احساس ہے اور وہ حکام سے رابطے میں ہیں۔ چند لوگوں کی وجہ سے عام لوگوں کو پریشان کرنا اچھی بات نہیں اور یہ صورت حال بعض اوقات تصادم کی طرف لے جاتی ہے۔ انھوں نے حکومت سے اپیل کی یہ مسئلہ جتنا آسانی سے حل ہوسکتا ہو حل کیا جائے اور علاقے میں جو فورسز ہیں ان کو نکالا جائے۔ انہوں نے عوام سے بھی پُرامن رہنے کی اپیل کی۔

(محمد حسن)

من گھڑت مقدمے کے اندراج اور حبس بے جا میں رکھنے کا الزام

خیبر ضلع خیبر کے رہائشی خلیل رحمان نے لنڈی کوتل پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ میرے بھائی امجد خان ولد زین شاہ سکنہ خوگا خیل کو لنڈی کوتل پولیس نے ایک مہینے پہلے گرفتار کیا تھا۔ جب تھانہ لنڈی کوتل سے معلومات حاصل کی گئیں تو انہوں نے کہا کہ امجد خان اسلام آباد پولیس کو ایف آئی آر دفعہ 381A کے تحت مطلوب ہے۔ چنانچہ لنڈی کوتل پولیس نے امجد خان 18 جنوری کو تھانہ انڈسٹریل ایریا اسلام آباد پولیس کے حوالے کر دیا۔ بعدازاں 18 جنوری سے 17 فروری تک اسلام آباد پولیس نے امجد خان کو مبینہ طور پر حبسِ بے جا میں رکھا۔ بعدازاں اس کے خلاف جھوٹا مقدمہ درج کر دیا گیا جو کہ ان کے ساتھ ظلمی کے مترادف ہے۔ خلیل الرحمان نے مزید کہا کہ اسلام آباد پولیس نے امجد خان کی رہائی کے لیے رشوت طلب کی جو کہ سراسر ناانصافی ہے۔ انہوں نے تمام متعلقہ حکام سے اپیل کی کہ وہ اس معاملے میں مداخلت کریں اور ان کے بے قصور بھائی کی رہائی یقینی بنائیں۔ انہوں نے اس معاملے میں ملوث تمام پولیس اہلکاروں کے خلاف قانونی کارروائی کا مطالبہ بھی کیا۔

(منظور آفریدی)

پولیس کے مبینہ تشدد سے ملزم ہلاک

ٹوبہ ٹیک سنگھ ہلاک ہونے والے ملزم بلال کا تعلق 751 گ ب اروتی سے ہے۔ بلال کے اہل خانہ کا کہنا ہے کہ افضل چوکی انچارج پیر محل، اے ایس آئی سرفراز اور کانسٹیبل اویس نے تشدد کر کے بلال کو ملزم کو ہلاک کیا ہے۔ علی ہراج، شہزاد ہراج، جہانگیر اور صابر شاہ بھی مقدمے میں نامزد ہیں۔ ہلاکت میں ملوث سابق ایس ایچ او تھانہ اروتی، اے ایس آئی سرفراز اور کانسٹیبل اویس کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ پولیس نے ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کر کے کارروائی کا آغاز کر دیا۔ جبکہ پولیس ترجمان کے مطابق ملزم نے دیوار میں سر مار کر خودکشی کی ہے۔

(اعجاز اقبال)

فوجی چوکی پر تعینات اہلکاروں کے ناروا رویے کے خلاف احتجاج

خیبر 19 فروری کو وادی تیراہ میدان کے ایک گاؤں گڈ یخیل ملک دین لرباغ کے لوگ ایک بار پھر سے احتجاج کرنے پر مجبور ہو گئے کیوں کہ کل راستے میں آرمی والے کھڑے تھے اور گاوں کے لوگوں کی تلاشی لے رہے تھے۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ فوج کی چوکی پر تعینات اہلکار وہاں سے گزرنے والے عام لوگوں کو ہراساں کرتے ہیں۔۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ فورسز نے ان کی زمینوں پر قبضہ کیا ہے جو کہ ایک غیر قانونی و غیر آئینی اقدام ہے۔ مظاہرین نے علاقے کے سیاسی نمائندوں سے اس مسئلے کے حل کے لیے بامعنی کردار ادا کرنے کا مطالبہ بھی کیا۔

(منظور قادر)

32 ہاری بازیاب

عمرکوٹ 20 فروری کو سیشن کورٹ عمرکوٹ کے حکم پر کنری پولیس نے گوٹھ محمد رمضان رند میں زمیندار عباس علی رند کی زرعی زمین پر چھاپہ مار کر جبری مشقت کے شکار کولھی برادری کے 32 ہاریوں کو بازیاب کیا جن میں ہیرو، اینا، جودھو، میوو، بینا، پربھو، سوریا، رمیش اور دیگر شامل تھے۔ ارنہیں میگھی کولہن کی طرف سے عدالت میں دی گئی درخواست پر بازیاب کرایا گیا۔ عدالت نے بازیاب ہونے والے تمام ہاریوں کو اپنی مرضی اور پسند کے مطابق آزاد زندگی گزارنے کی اجازت دے دی۔

(نامہ نگار)

صحت

پاکستان میں پولیو کے واقعات میں اضافہ صحت عامہ کے لیے باعث تشویش



اسلام آباد پاکستان میں پولیو کا خاتمہ کرنے کا خواب تا حال تعبیر نہیں پا سکا۔ گزشتہ برس ملک میں پولیو کے چھ کیس سامنے آئے اور پانی کے 112 نمونوں میں اس وائرس کی تصدیق ہوئی۔ عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) کی ایمرجنسی کمیٹی برائے پولیو نے پاکستان اور افغانستان پر پولیو کے حوالے سے سفری پابندیاں برقرار رکھنے کی سفارش کی ہے۔ ان پابندیوں کے تحت ملک سے باہر جانے والوں کے لیے پولیو کی ویکسین لینا لازمی ہوگا۔ ادارے کا کہنا ہے کہ پاکستان میں پولیو سے وابستہ غلط فہمیوں کے باعث لوگوں کا بچوں کو ویکسین پلانے سے گریز اس بیماری کے خاتمے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ پاکستان اور افغانستان کے مابین آمد ورفت پولیو کے پھیلاؤ کا بڑا ذریعہ رہی ہے۔ پاکستان سے افغان مہاجرین کی واپسی سے افغانستان میں پولیو کے پھیلاؤ میں مزید اضافہ ہوسکتا ہے۔ گزشتہ برس ضلع بنوں میں تین، اورکزئی میں ایک اور ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی کے دو بچوں میں یہ وائرس پایا گیا ہے۔ کراچی کا شمار ملک میں پولیو کے حوالے سے انتہائی خطرات کے حامل شہروں میں بھی ہوتا ہے۔ اس وقت دنیا میں پاکستان اور افغانستان ہی ایسے ملک ہیں جہاں یہ مرض موجود ہے۔ کسی ملک کو اسی وقت پولیو سے پاک قرار دیا جاتا ہے جب وہاں تین سال تک اس بیماری کا کوئی نیا کیس سامنے نہ آئے۔ طبی کارکن مشکل راستوں سے گزر کر گھر گھر جا کر بچوں کو پولیو کے قطرے پلاتے ہیں۔ سال بہ سال پاکستان میں پولیو کے نئے مریضوں کی تعداد میں نمایاں کمی آ رہی ہے۔ لیکن اب تک کوئی ایسا برس نہیں گزرا جب ملک میں اس وائرس کا کوئی نیا مریض سامنے نہ آیا ہو یا پانی کے نمونوں میں اس وائرس کی تصدیق نہ ہوئی ہو۔ 2022 میں مجموعی طور پر 20، 2021 میں ایک، 2020 میں 84، 2019 میں 147 اور 2018 میں نوے افراد میں پولیو کی تشخیص ہوئی تھی۔ گزشتہ سال ملک بھر میں 40 یونین کونسلوں کو پولیو کے پھیلاؤ سے متعلق انتہائی خدشات کی حامل قرار دیا گیا۔ یہ علاقے خیبر پختونخوا میں پشاور، سندھ میں کراچی اور بلوچستان میں کوئٹہ، پشین اور قلعہ عبداللہ کا حصہ ہیں۔ ان علاقوں سے وابستہ اس خدشے کی بڑی وجوہات میں گنجان آبادی، بنیادی سہولیات کا فقدان، کئی طرح کے طبی مسائل اور ان کے نتیجے میں جسمانی قوت مدافعت کی کمی خاص طور پر نمایاں ہیں۔ پاکستان میں سرکاری سطح پر پولیو کے خاتمے کی کوششوں کا آغاز تقریباً 25 برس پہلے ہوا تھا۔ ملک میں جاری انسداد پولیو پروگرام کے تحت ہر سال چلائی جانے والی انسداد پولیو مہمات میں پانچ سال سے کم عمر کے بچوں کو چند ماہ کے وقفوں سے متواتر پولیو ویکسین کے دو قطرے پلائے جاتے ہیں۔ پولیو مہم میں کام کرنے والے تقریباً 200 طبی کارکنوں کو ہلاک کیا جا چکا ہے جن میں تقریباً 70 خواتین بھی شامل ہیں۔ ایسا تازہ ترین واقعہ 8 جنوری 2024 کو پولیو مہم کے دوران شمالی وزیرستان میں پیش آیا جب پولیو ٹیم پر فائرنگ میں اس کی حفاظت پر مامور 5 پولیس اہلکار ہلاک ہوگئے۔ ضلع خیبر میں بچوں کو پولیو ویکسین پلانے والی ایک ٹیم میں شامل زاہد خان کا کہنا ہے کہ کئی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بچوں کو پولیو ویکسین پلانا غیر اخلاقی یا غیر اسلامی کام ہے۔ اگرچہ حکومت نے خطرناک علاقوں میں پولیو ٹیموں کے ساتھ سکیورٹی اہلکار تعینات کیے ہیں لیکن یہ سکیورٹی طبی کارکنوں کو لوگوں کا اعتماد نہیں دلا سکتی۔ پولیو مہم میں کام کرنے والے لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ شہری مراکز سے دور اور دشوار گزار علاقوں میں گھر گھر جا کر پولیو کے قطرے پلانا آسان نہیں ہوتا۔ مشکل راستوں اور سخت گرمی، برف باری اور لینڈ سلائیڈنگ جیسے شدید موسمی حالات کی وجہ سے کئی جگہوں تک رسائی مشکل ہو جاتی ہے۔ انسداد پولیو کے لیے 'نیشنل ایمرجنسی آپریشنز سنٹر' کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر شہزاد بیگ تصدیق کرتے ہیں کہ سماجی رویوں اور معلومات کی کمی کے علاوہ طبی جانچ پڑتال کے بغیر پاکستان اور افغانستان کے درمیان لوگوں کی آمد ورفت پولیو کے خاتمے کی راہ میں حائل ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ تاہم ان کا کہنا ہے کہ مسائل پر قابو پانے کے لیے انسداد پولیو پروگرام کے تحت ترتیب دی جانے والی حکمت عملی میں بہتری اور تبدیلی لانے کا عمل جاری رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وقت کے ساتھ پولیو کے نئے مریضوں کی تعداد میں کمی آ رہی ہے۔ اقوام متحدہ کے زیر اہتمام انسداد پولیو کے لیے دنیا بھر میں جاری اقدام (جی پی ای آئی) نے 2023 میں پاکستان سے پولیو کے نئے کیس ختم کرنے کا ہدف طے کیا تھا۔ تاہم اب اس ادارے کے نگران بورڈ کا کہنا ہے کہ کم از کم آئندہ تین برس تک پاکستان کا پولیو سے پاک ہونا ممکن نہیں ہے۔ (بشکریہ یو این نیوز)

طبی سہولیات کی فراہمی اور ملازمین کو تنخواہوں کی ادائیگی کا مطالبہ

سجاول سجاول کے شہروں میرپور بٹھورو، سجاول، جاتی اور نواحی علاقوں میں ایسے سینکڑوں صحت مراکز ہیں جہاں بنیادی طبی سہولیات میسر نہیں۔ ان میں ڈاکٹروں سمیت دیگر تعلیم و تربیت یافتہ عملے کی شدید قلت ہے۔ اس کے علاوہ، طبی ساز و سامان بھی دستیاب نہیں۔ خاص طور پر زچہ بچہ کی زندگی کو محفوظ رکھنے کے لیے کسی قسم کا کوئی مؤثر بندوبست نہیں ہے۔ اس کے نتیجے میں کئی حاملہ خواتین بچے کی پیدائش کے وقت اور نوزائیدہ بچے مناسب طبی نگہداشت نہ ملنے پر موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ تمام متعلقہ حکام سے اپیل ہے کہ اس مسئلے کا فوری نوٹس لیا جائے۔ دوسری طرف، محکمہ صحت سجاول میں رینڈر سروسز کی بنیاد پر بھرتی کیے گئے غریب ملازمین کی تنخواہیں کافی عرصہ سے ادا نہیں ہوئیں جس کی وجہ سے ملازمین اور ان کے خاندان فاقے کرنے پر مجبور ہیں۔ ملازمین کی جانب سے سندھ ہائی کورٹ کے نامور وکیل امر جمانی میمن کے ذریعے ضلعی ہیلتھ آفیسر (ڈی ایچ او) سجاول کو قانونی نوٹس جاری کیا گیا اور متاثرہ ملازمین نے ڈی ایچ او سمیت دیگر متعلقہ افراد کے خلاف مقدمہ درج کرنے کا فیصلہ بھی کیا ہے۔ سجاول کے محکمہ صحت میں کروڑوں روپے کی مبینہ کرپشن کا بھی انکشاف ہوا ہے۔ اس حوالے سے ملازمین نے الزام عائد کیا ہے کہ رشوت کی عدم ادائیگی کے باعث محکمہ صحت سجاول کے عملے نے رینڈر ملازمین کو تنخواہیں جاری نہیں کیں، جبکہ کئی جعلی ملازمین بھرتی کر کے ان کے نام پر تنخواہیں وصول کی جا رہی ہیں۔ ملازمین کا مزید کہنا تھا کہ قانونی نوٹس کے بعد اجرت جاری نہ کی گئی تو عدالت میں ذمہ داران کے خلاف مقدمہ دائر کیا جائے گا۔ (چیتن لال)

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:	

2-وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ

3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ
	ڈاک خانہ	تحصیل وضلع

4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں

5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)	

6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اوراس کی مختصر تفصیل

7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کا رکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں

14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ

15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف درج کر کے بھیجیں

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق جہدِ حق کے تمام قارئین کو آ گاہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ رسالہ مفت ہے۔ قارئین کو کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1: تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3: ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4: کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8: ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موئثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9: کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11: (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13: (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14: (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کارروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15: (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16: (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17: (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20: (1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21: (ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور تقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23: (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25: (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26: (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27: (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ - 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29: (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشو ونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
''ایوان جمہور'' 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹائون، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

کمپوز:
جمال احمد
سیدرضا شاہ